دلچسپ واقعات اور سبق آموز حکایات پر مبنی طلبائے علم کے لیے ایک راہنما تحریر

دینی تعلیم و تربیت کے اصول و آداب

تالیف

مولانا عبدالرؤف خان رحمانی جھنڈانگری رحمہ اللہ



دار ابی الطیب
للنشر والتوزیع

مولانا محمد اسحاق بھٹی ریسرچ سنٹر
گل روڈ گوجرانوالہ

www.KitaboSunnat.com

بسم الله الرحمن الرحيم

دلچسپ واقعات اور سبق آموز حکایات پر مبنی طلبائے علم کے لیے ایک راہنما تحریر

دینی تعلیم و تربیت کے اصول و آداب

تالیف

مولانا عبدالرؤف خان رحمانی جھنڈانگری رحمہ اللہ



دار ابی الطیب
للنشر والتوزیع

مولانا محمد اسحاق بھٹی ریسرچ سنٹر
گل روڈ گوجرانوالہ

دینی تعلیم و تربیت کے اصول و آداب

تالیف

مولانا عبدالرؤف خان رحمانی جھنڈانگری رحمہ اللہ

اشاعت اول .... اکتوبر 2016

تعداد 1100

دار ابی الطیب للنشر والتوزیع

گل روڈ، حمید کالونی، گلی نمبر 5، گوجرانوالہ

055-3823990, 0321-6466422

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفے چند

خطیب الاسلام علامہ عبدالرؤف رحمانی جھنڈا نگری رحمہ اللہ (وفات: 1999ء) معروف عالم دین اور ایک عظیم مصلح تھے، جنھوں نے تدریس، تصنیف اور دعوت و تبلیغ کے ذریعے سے اسلامی تعلیمات کو عام کرنے میں انتھک محنت کی۔ اپنے علمی ورثے میں انھوں نے بیش قیمت مولفات کا ایک قابلِ قدر ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے، جو مختلف علوم و فنون میں ان کی ژرف نگاری اور وسعتِ مطالعہ پر دلالت کرتا ہے۔

آپ دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے فضلا میں سے تھے اور فراغت کے بعد نیپال کے علاقے بونڈیہار جھنڈانگر کے مدرسہ سراج العلوم کے صدر مدرس اور انتظام و انصرام کے ذمے دار رہے۔ علاوہ ازیں آپ نیپال کی جمعیت اہلِ حدیث کے مرکزی امیر اور رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے رکن رکین تھے۔ ان متنوع خدمات اور گوناگوں مناصب سے ان کی شخصی عظمت اور ہمہ گیری کے ساتھ ساتھ دعوتی و علمی میدان میں ان کے کارہائے نمایاں کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

زیرِ نظر کتاب مولانا جھنڈانگری رحمہ اللہ کی ایک تصنیفِ لطیف ہے، جس میں انھوں نے قرآن و حدیث کی روشنی میں دینی تعلیم و تربیت کے اصول و مبادی بیان

کیے ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ طلبائے علم کے لیے تشجیع و ترغیب کی خاطر علمائے سلف اور عصرِ حاضر کے ائمہ تجدید کے حیرت انگیز واقعات اور سبق آموز نصائح کا تذکرہ بھی کیا ہے۔

یہ رسالہ دراصل ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور میں شائع ہونے والی آٹھ اقساط کا مجموعہ ہے، جو اس کی اشاعت 13 مئی 1994ء تا 8 جولائی 1994ء میں طباعت پذیر ہوئیں اور اب افادیت کی خاطر اسے یکجا شائع کیا جا رہا ہے، تاکہ دینی علوم کے طلبا اسے پڑھ کر اپنے لیے نصیحت و موعظت کا سامان جمع کر سکیں اور ائمہ دین کے حیران کن قصص دیکھ کر علم کی راہ میں موجود مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے ساتھ ساتھ اس راہ میں موجود عملی کوتاہیوں سے اپنے دامن کو آلودہ ہونے سے بچا سکیں۔

اظہارِ تشکر:

سب سے پہلے ہم اللہ رب العزت کے شکر گزار ہیں، جس کے فضل و احسان کی بنا پر ہمیں اس علمی خزینے کی خدمت و اِشاعت کی توفیق میسر آئی، پھر ہم ان تمام اَحباب و اِخوان کے ممنون ہیں، جنھوں نے کسی بھی مرحلے پر ہماری معاونت اور حوصلہ افزائی کی، خصوصاً فضیلۃ الشیخ فلاح خالد المطیری حفظہ اللہ (مدیر لجنۃ القارۃ الھندیہ، کویت) اور محترم المقام مولانا عارف جاوید محمدی حفظہ اللہ (مدیر مرکز دعوۃ الجالیات، کویت) ہمارے خصوصی شکریے کے سزاوار ہیں، جن کے تعاون اور سرپرستی کی وجہ سے اس علمی تراث کا احیا عمل میں آیا۔ نیز معروف عالمِ دین مولانا عبدالخالق محمد صادق آف کویت بھی ہمارے شکریے کے مستحق ہیں، جنھوں نے

اس کتابچے پر انتہائی مفید اور علمی مقدمہ تحریر کیا۔ جزاہ اللہ خیرا
اللہ تعالیٰ انھیں اور دیگر تمام معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس عمل کو قبولیت سے سرفراز فرما کر ہمارے لیے توشۂ آخرت بنائے۔ آمین یا رب العالمین

والسلام

حافظ شاھد محمود

1437/7/2ھ = 2016/04/10ء

hasanshahid85@hotmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

فضیلۃ الشیخ مولانا عبدالخالق مدنی
(کویت)

اپنے اہلِ خانہ اور زیرِ کفالت افراد کی دینی اور اخلاقی تربیت ایک اہم دینی فریضہ اور ذمے داری ہے، جس کے متعلق قیامت کے دن ہر شخص جواب دہ ہوگا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۝6 ﴾ [التحریم: ٦]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ، جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں، اس پر سخت دل، بہت مضبوط فرشتے مقرر ہیں، جو اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے، جو وہ انھیں حکم دے اور وہ کرتے ہیں جو حکم دیے جاتے ہیں۔''

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اس آیتِ کریمہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اپنے اہل وعیال کی دینی و اخلاقی تربیت کرو اور انھیں خیر و بھلائی کی تعلیم دو، تاکہ وہ آخرت میں نامرادی و ناکامی اور آتشِ دوزخ

سے نجات پا سکیں۔"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَّسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، فَالْإِمَامُ رَاعٍ، وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِيْ أَهْلِهِ، وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِيْ بَيْتِ زَوْجِهَا، وَهِيَ مَسْئُوْلَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا ... فَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ))[1]

"تم میں سے ہر شخص ذمے دار ہے اور ہر شخص سے اس کی ذمے داری کے متعلق پوچھ گچھ ہوگی، لہٰذا وقت کا حکمران ذمے دار ہے اور اس سے اس کی ذمے داری کے بارے میں سوال کیا جائے گا اور ہر آدمی اپنے گھر والوں کا ذمے دار ہے اور اس سے بھی اس کی ذمے داری کے متعلق باز پرس کی جائے گی۔ ہر عورت اپنے خاوند کے گھر میں ذمے دار ہے اور اس سے بھی اس کی ذمے داری کے بارے میں پوچھا جائے گا... الغرض تم میں سے ہر شخص ذمے دار ہے اور ہر شخص اپنی ذمے داری کے متعلق جواب دہ ہوگا۔"

اس حدیثِ مبارک میں ہر شخص کو اس کے گھر والوں کا، جن میں اس کی بیوی بچے شامل ہیں، ذمے دار، نگران اور محافظ بتلایا گیا ہے اور متنبہ کیا گیا ہے کہ ہر شخص سے اس کے ماتحت لوگوں سے متعلق سوال کیا جائے گا کہ اس نے کہاں تک ان کی اسلامی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا تھا!

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٨٩٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٨٢٩)

اپنے ماتحت لوگوں کی تربیت و اصلاح میں کوتاہی کی سزا:

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا مِنْ عَبْدٍ اسْتَرْعَاهُ اللّٰهُ رَعِيَّةً، فَلَمْ يَحُطْهَا بِنُصْحِهِ، إِلَّا لَمْ يَجِدْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ))[1]

''جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے رعایا کا حاکم و محافظ بنایا اور اس نے بھلائی اور خیر خواہی کے تقاضوں کے مطابق اپنی ذمے داری پوری نہ کی تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا۔''

شیخ صالح العثیمین رحمہ اللہ مذکورہ بالا حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:

''حدیثِ پاک (رعایتِ کبریٰ) یعنی حکومتی ذمے داری اور (رعایتِ صغریٰ) یعنی گھریلو ذمے داری دونوں پر مشتمل ہے، کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِي أَهْلِ بَيْتِهِ، وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ))

''ہر شخص اپنے اہلِ خانہ کا سرپرست اور ذمے دار ہے، اس کی رعیت کے بارے میں اس سے پوچھا جائے گا۔''

''لہٰذا اس حدیث کی روشنی میں جو اپنے گھر میں ڈش انٹینا جیسی مصیبت چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہوا تو یہ اس کے لیے جنت سے محرومی کا سبب بن جائے گا، یعنی اگر کوئی شخص فحاشی کا سبب بننے والے آلات اپنی زندگی میں اپنے گھر میں نصب کرتا ہے تو اس کے

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٧١٥٠) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٤٢)

مرنے کے بعد جب تک اس کے اہلِ خانہ ان کے ذریعے فحاشی پر مبنی پروگرام اور حیا سوز اور اخلاق باختہ فلمیں اور ڈرامے دیکھتے رہیں گے، تب تک اسے برابر کا گناہ ملتا رہے گا اور اس کا وبال اس پر ہوگا۔''[1]

نقشِ اول:

ہر شخص کو بدوِ شعور ہی سے نسلِ نو کی دینی اور اخلاقی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرنا چاہیے، کیوں کہ طفل خورد سال کا قلب و دماغ کورے کاغذ کی طرح صاف اور آئینے کی مانند شفاف ہوتا ہے۔ ایامِ طفولت میں اس پر ثبت ہونے والا ہونے والا وہ نقش اَن مِٹ اور پائیدار اور اس کے مستقبل کے لیے خشتِ اول اور حجرِ اساس ہوگا، اور یہ سچ ہے ع

خشت اول چو نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ إِلَّا يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ وَيُنَصِّرَانِهِ وَيُمَجِّسَانِهِ))[2]

''ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے، اس کے بعد اس کے ماں باپ چاہیں تو اسے یہودی بنا دیں، یا اسے نصرانی بنا دیں یا اسے مجوسی (آتش پرست) بنا دیں۔''

---

[1] خطبہ شیخ صالح العثیمین رحمہ اللہ بتاریخ (1417/3/25)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٣٥٩) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٦٥٨)

کسی عرب شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

حَرِّضْ بَنِيْكَ عَلَى الْآدَابِ فِيْ الصِّغَرِ

كَيْمَا تَقِرَّ بِهِمْ عَيْنَاكَ فِيْ الْكِبَرِ

وَإِنَّمَا مَثَلُ الْآدَابِ تَجْمَعُهَا

فِيْ عُنْفُوَانِ الصِّبَا كَالنَّقْشِ فِيْ الْحَجَرِ

''اپنی اولاد کو بچپن ہی سے ادب سکھلاؤ، تاکہ بڑے ہوکر وہ تمھاری آنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہوں، کیوں کہ بچپن میں ادب سکھانا ایسے ہے جیسے پتھر پر لکیر لگانا۔''

تعلیم و تربیت کے اصول

کلمہ طیبہ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه

''اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبودِ برحق نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔''

کلمہ طیبہ کی تعلیم و تفہیم اسلامی تربیت کا نقطۂ آغاز ہے اور عقیدہ توحید و رسالت کا اقرار ایمان کی اصل بنیاد ہے۔

1 عقیدۂ توحید (لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ) کا مفہوم:

''اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبودِ برحق نہیں ہے۔''

اپنی اولاد اور نسلوں کو کلمۂ توحید کے مفہوم اور تقاضوں سے آگاہ کرنا اور اپنے خالق و مالک اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی معرفت اور صحیح اسلامی عقیدے کی تعلیم دینا ہر مسلمان کی اولین ترجیح اور تعلیم و تربیت کا نقطۂ آغاز ہونا چاہیے، کیوں کہ

قرآن وسنت کی تعلیمات پر مبنی صحیح عقیدہ ہی ایمان کی اساس اور اعمالِ صالحہ کی قبولیت کے لیے بنیادی شرط اور پرسکون اور خوشگوار زندگی کے لیے ضمانت اور گارنٹی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اپنے نیک بندے حضرت لقمان حکیم رضی اللہ عنہ کے اندازِ تعلیم وتربیت کے ضمن میں عقیدۂ توحید کی تعلیم کو بطور نقطۂ آغاز ذکر کیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَإِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۗ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿١٣﴾ ﴾ [لقمان: ١٣]

''اور جب لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا، جب کہ وہ اسے نصیحت کر رہا تھا: اے میرے چھوٹے بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا، بے شک شرک یقیناً بہت بڑا ظلم ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری پر آپ کے پیچھے سوار تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

((يَا غُلَامُ! أَلَا أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ يَنْفَعُكَ اللّٰهُ بِهِنَّ؟))

''اے بچے! کیا میں تجھے وہ نفع مند باتیں نہ بتاؤں، جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ آپ کو نفع پہنچائے گا؟''

میں نے کہا: جی ہاں! ضرور فرمایئے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

1 ((اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ))

''تم اللہ (کے دین کی) حفاظت کرنا (اس کے احکام پر عمل کرنا اور جن کاموں سے اس نے منع کیا ہے ان سے بچنا) اس طرح اللہ تعالیٰ تمھاری حفاظت کرے گا۔''

2 «اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ»

''تم اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز نہ کرنا، مشکلات میں اس کی مدد کو شاملِ حال پاؤ گے۔''

3 «إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ»

''تم جب بھی کچھ مانگو تو صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مانگو۔''

4 «وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ»

''اور (مشکلات ومصائب میں) جب بھی مدد طلب کرو تو صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کرنا۔''

5 «وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰى أَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ، وَإِنِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى أَنْ يَّضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوْكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ»

''اور اس بات پر اچھی طرح سے یقین کر لو کہ اگر تمام لوگ مل کر تمھیں نفع پہنچانا چاہیں تو وہ تمھیں محض اتنا نفع پہنچا سکیں گے، جتنا اللہ تعالیٰ نے تمھاری قسمت میں لکھ دیا ہے اور اگر وہ سب کے سب مل کر تمھیں کوئی نقصان پہنچانا چاہیں تو وہ آپ کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے سوائے اس نقصان کے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی قسمت میں لکھ دیا ہوا ہے۔''

6 «رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ»

''(تقدیر لکھنے والے) قلم اٹھا لیے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔''

7 «تَعَرَّفْ إِلَى اللّٰهِ فِي الرَّخَاءِ يَعْرِفْكَ فِي الشِّدَّةِ»

''خوشحالی اور آسودگی کے ایام میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنا، وہ (اللہ تعالیٰ) مصیبت اور پریشانی کے ایام میں آپ کی مدد کرے گا۔''

8 « وَاعْلَمْ أَنَّ مَا أَخْطَأَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَكَ، وَمَا أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ »

''اور خوب اچھی طرح جان لو کہ جو آپ کی قسمت میں نہیں لکھا گیا وہ آپ تک نہیں پہنچے گا اور جو (نعمت یا تکلیف) آپ کی قسمت میں لکھی جا چکی ہے وہ آپ کو ضرور ملے گی۔''

9 «وَاعْلَمْ أَنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ»

''اور یہ بھی جان لو کہ اللہ کی مدد صبر کے ساتھ آتی ہے۔''

10 «وَأَنَّ الْفَرَجَ مَعَ الْكَرْبِ»

''اور ہر پریشانی کے بعد خوشحالی ہے۔''

11 «وَأَنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْراً»

''اور ہر تنگی کے بعد آسانی ہے۔''[1]

قارئین کرام! ذرا غور فرمایئے کہ نبیِ رحمت، معلم انسانیت، پیارے نبی حضرت محمد ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو ان کی نوعمری ہی میں کس قدر جامع اور پُراثر انداز میں اسلامی عقیدے کی تلقین فرمائی اور عقیدۂ توحید کے اصول ومبادیات ان کو ذہن نشین کروا دیے تھے، چنانچہ آپ کا اندازِ تعلیم وتربیت

[1] مسند أحمد (٢٨٠٤)، وصححه الأرناؤط. سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٥١٦) وصححه الألباني.

تمام مسلمانوں کے لیے اسوۂ حسنہ اور بہترین نمونہ ہے۔

(2) جذبۂ حبِ رسول اللہ ﷺ:

کلمہ طیبہ کے دوسرے جز "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" یعنی ''محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔'' کے مفہوم اور تقاضوں سے آگاہ کرتے ہوئے اوائل عمری ہی سے نونہالانِ قوم کو باور کروانا چاہیے کہ نبی مکرم ﷺ کے ساتھ اپنی جان سے بھی زیادہ محبت کرنا ہر مسلمان کے لیے لازمی اور ضروری ہے، جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّلَدِهِ وَ وَالِدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ)) (1)

''تم میں سے کوئی شخص مومن کامل نہیں بن سکتا، تاوقتیکہ وہ اپنی اولاد، اپنے والدین اور دیگر تمام لوگوں کی نسبت مجھ سے زیادہ محبت کرے۔''

عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھاما ہوا تھا، اسی دوران میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اظہارِ عقیدت کرتے ہوئے عرض کی: "يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا مِنْ نَّفْسِيْ" ''اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ مجھے اپنی جان کے علاوہ (دنیا کی) ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔''

تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

(1) صحيح البخاري، رقم الحديث (١٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (٤٤)

«لَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْكَ مِنْ نَفْسِكَ»
فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: فَإِنَّهُ الْآنَ وَاللّٰهِ لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي،
فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اَلْآنَ يَا عُمَرُ» [1]

''نہیں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہاں تک کہ میں تمھیں تمھاری جان سے بھی زیادہ محبوب ہو جاؤں۔'' تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اللہ کی قسم! اب آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔'' پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اے عمر! یہ ہے ایمان کی حقیقت۔''

بچپن ہی میں اولاد کو ذہن نشین کروایا جائے کہ آپ کی اتباع اور پیروی ہر مسلمان پر واجب ہے خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، مرد ہو یا عورت، آپ کے اسوۂ حسنہ اور سیرتِ طیبہ کے واقعات ان کے سامنے بیان کیے جائیں اور ان کو اپنانے کی ترغیب دلائی جائے۔ نماز کی پابندی، شرعی حجامت اور لباس کی اہمیت، سونے اور بیدار ہونے یا خور و نوش کے اسلامی آداب اور مکارمِ اخلاق کی تعلیم دی جائے۔ والدین اور بڑے بہن بھائیوں، عزیز و اقارب اور اساتذہ کا ادب و احترام شروع ہی سے بچوں کو سکھایا جائے اور ان کو بتایا جائے کہ یہ ہمارے پیارے نبی ﷺ کی تعلیمات ہیں اور آپ ہی ہمارے لیے آئیڈیل اور نمونہ ہیں۔

نماز کی پابندی:

دینِ اسلام میں نماز کی اہمیت کے پیشِ نظر ہر مسلمانوں کو خود بھی نماز

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٦٣٢)

پابندی کے ساتھ ادا کرنی چاہیے اور اپنے اہلِ خانہ کو بھی نماز اہتمام کے ساتھ ادا کرنے کا عادی بنانا چاہیے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ﴾ [طٰهٰ: ١٣٢]

''اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دے اور اس پر خوب پابند رہ۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مُرُوْا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ، وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِيْنَ))[1]

''تمھارے بچے جب سات سال کے ہو جائیں تو انھیں نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب دس سال کے ہو جائیں تو نماز میں کوتاہی پر انھیں سزا دو۔''

تربیت کی مثال:

حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بچپن میں جب کہ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیرِ نگرانی پرورش پا رہا تھا اور کھاتے وقت میرا ہاتھ کھانے کے میں ہر طرف گھوما کرتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

((يَا غُلَامُ! سَمِّ اللّٰهَ، وَكُلْ بِيَمِيْنِكَ، وَكُلْ مِمَّا يَلِيْكَ))[2]

''اے لڑکے! بسم اللہ پڑھو، داہنے ہاتھ کے ساتھ کھاؤ اور اپنے آگے سے کھاؤ۔''

عمر بن ابن سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

[1] مسند أحمد، أبو داود، صحيح الجامع للألباني (٥٨٦٨)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٣٧٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٠٢٢)

نصیحت کے مطابق ہی کھایا کرتا ہوں۔

قارئینِ کرام! نبی رحمت ﷺ کے اندازِ تعلیم و تربیت میں ہمارے لیے یہ راہنما اصول موجود ہیں کہ نسلِ نو کی تعلیم و تربیت عقیدے اور عمل کی اصلاح کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرنا چاہیے اور یہ خیال کر کے کہ ابھی یہ بچے ہیں، جب بڑے ہوں گے تو خود بخود سیکھ لیں گے، ان کی تربیت کے اس اہم موقع کو ضائع نہیں کرنا چاہیے، کیوں کہ

إِنَّ الْغُصُونَ إِذَا قَوَّمْتَهَا اعْتَدَلَتْ
وَلَا يَلِينُ إِذَا قَوَّمْتَهُ الْخَشَبُ

''اگر آپ شاخ نازک کو سیدھا کرنا چاہیں گے تو وہ بآسانی سے سیدھی ہو جائے گی، لیکن جب وہ پختہ لکڑی بن جائے گی تو اسے سیدھا کرنا بہت مشکل ہو گا۔''

صحبتِ بد سے پرہیز:

اپنی اولاد اور نونہالانِ قوم کو برے لوگوں کی صحبت اور ہم نشینی سے محفوظ رکھنا اور یارانِ بد کی دوستی سے دور رکھنا تربیت کا بنیادی اور اہم پہلو ہے، کیوں کہ فطرتی طور پر انسان صحبت کا اثر بہت جلد قبول کرتا ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے:

صحبتِ صالح ترا صالح کند
صحبتِ طالح ترا طالح کند

نیز ایک عربی شاعر نے کہا ہے:

عَنِ الْمَرْءِ لَا تَسْأَلْ وَسَلْ عَنْ قَرِينِهِ
فَكُلُّ قَرِينٍ بِالْمُقَارِنِ يَقْتَدِي

''کسی شخص کے بارے میں معلوم کرنا ہوتو خود اس کے بارے میں کسی سے مت پوچھیے، بلکہ اس کے دوستوں کے بارے میں معلوم کیجیے، کیوں کہ دوست ایک دوسرے کی سیرت کا عکس اور پرتو ہوتے ہیں۔''

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَثَلُ الْجَلِيْسِ الصَّالِحِ وَالْجَلِيْسِ السُّوْءِ كَمَثَلِ حَامِلِ الْمِسْكِ وَنَافِخِ الْكِيْرِ، فَأَمَّا حَامِلُ الْمِسْكِ أَنْ يَّحْذِيَكَ، أَوْ تَشْتَرِيْ مِنْهُ، أَوْ تَجِدَ مِنْهُ رِيْحاً طَيِّبَةً، وَنَافِخُ الْكِيْرِ فَإِمَّا أَنْ يَّحْرِقَ ثِيَابَكَ، أَوْ تَجِدَ مِنْهُ رِيْحاً مُنْتِنَةً)) [1]

''اچھے ساتھی اور برے ساتھی کی مثال عطر فروش اور بھٹی دھونکنے والے کی طرح ہے، عطر فروش یا تو خود ہی تمھیں عطر لگا دے گا یا تم اس سے خرید لو گے، اگر یہ بھی نہ ہو تو اس کے پاس سے تمھیں عطر کی خوش بو ضرور آئے گی، جب کہ بھٹی جھونکنے والا یا تو تمھارے کپڑے جلا دے گا یا اس کی (دھواں دار) بدبو تمھیں ضرور محسوس ہو گی۔''

یعنی نیک لوگوں کی ہم نشینی اور دوستی ہر لحاظ سے فائدہ مند اور مفید، جبکہ برے لوگوں کی صحبت ہر اعتبار سے باعثِ زیاں و نقصان اور عارضی اور ناپائیدار ہوتی ہے، کیوں کہ یہ دنیاوی مفادات اور ذاتی مصلحتوں پر مبنی ہوتی ہے، اسی لیے یہ معمولی اختلافات یا ذاتی مفادات حاصل نہ ہونے کی صورت میں فوراً ٹوٹ جاتی ہے، بلکہ دشمنی میں تبدیل ہو جاتی ہے، جیسا کہ عبداللہ بن المعتز کا قول ہے:

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٥٣٤) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٦٢٨)

"إِخْوَانُ السُّوْءِ يَنْصَرِفُوْنَ عِنْدَ النَّكْبَةِ وَيُقْبِلُوْنَ عِنْدَ النِّعْمَةِ"

''برے ساتھی مصائب کے وقت ساتھ چھوڑ دیتے اور (خوش حالی میں) مفادات کی طرف لپکتے ہیں۔''

تمام بہن بھائیوں کو میری نصیحت ہے کہ خود بھی اچھے اور نیک لوگوں کی صحبت اختیار کریں اور اپنی اولاد کو بھی اس کی عادت ڈالیں، کیوں کہ نیک اور صالح لوگوں کی ہم نشینی اور ان سے تعلقات میں خیر و بھلائی ہے، نیز صحبتِ بد سے اجتناب کریں اور اپنی اولاد کو بھی اس سے دور رکھیں، کیوں کہ صحبتوں سے نقصان اور فساد کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ بقول حالی مرحوم ع

شریفوں کے بچے بری صحبتوں میں
جہاں تک ہو اِمکان ہرگز نہ بیٹھیں

اس مقصد کے حصول کی خاطر اپنے بچوں کو حلقاتِ تحفیظ القرآن اور دینی اداروں اور اہلِ علم کی مجالس میں داخل کرائیں، کیوں کہ وہاں پر انھیں اچھے لوگوں کی صحبت میسر آسکے گی اور ایسے مفید پروگراموں میں ان کا وقت صرف ہو گا جو ان کی دنیا اور آخرت کے لیے نفع مند ہیں اور اس کے ساتھ ہی بری مجالس سے دور رہنے کا ماحول بھی بن جائے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِهٖ، فَلْیَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ یُّخَالِلُ))[1]

''آدمی اپنے دوست کے دین یا طریقے پر ہوتا ہے، اس لیے ہر شخص

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٣٨٧) وحسنه الألباني في السلسلة الصحيحة (٩٢٧)

کو خوب دیکھ بھال لینا چاہیے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔''
اسی لیے امام شافعی فرماتے ہیں:

إِذَا لَمْ أَجِدْ خِلًّا تَقِيًّا فَوِحْدَتِي
أَلَذُّ وَأَشْهَى مِنْ غَوِيٍّ أُعَاشِرُهُ
وَأَجْلِسُ وَحْدِيْ لِلْعِبَادَةِ آمِناً
أَقَرُّ لِعَيْنِيْ مِنْ جَلِيْسٍ أُحَاذِرُهُ

''جب مجھے کوئی متقی اور پرہیزگار دوست میسر نہیں آتا تو مجھے برے ہم نشین کی صحبت میں رہنے سے تنہائی زیادہ اچھی لگتی اور دل کو بھاتی ہے۔ میں اکیلے بیٹھ کر اطمینان کے ساتھ عبادت کروں، یہ میرے لیے برے ہم نشین کی صحبت سے زیادہ سکون کا باعث ہے۔''

دینی تعلیم کی ضرورت اور اہمیت

بحیثیتِ مسلمان ہمیں یہ احساس دامن گیر رہنا چاہیے کہ ہم ایک دستورِ حیات اور نظامِ زندگی کے مطابق اپنے دینی و دنیوی امور سرانجام دینے کے پابند ہیں، اس لیے ہر مسلمان کے لیے عبادات و معاملات کے بارے میں کتاب و سنت سے راہنمائی حاصل کرنا ضروری ہے، لہٰذا اوائل عمری ہی میں اولاد کو دینی تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ قرآن کریم کی تعلیم اور روزہ مرہ امور سے متعلق احکامِ شریعت کا جاننا اور اسلامی آداب کا سیکھنا ہر مسلمان مرد و زن کے لیے ضروری ہے، کیوں کہ علم و آگہی کے بغیر کوئی کام سرانجام دینا ناممکن اور محال ہے، مثلاً قرآن کریم کی تلاوت کا ہمیں حکم دیا

گیا ہے اور اس کے ایک حرف کی تلاوت پر دس نیکیوں کے اجر وثواب کا وعدہ کیا گیا ہے اور اس پر بلندیِ درجات کا وعدہ کیا گیا ہے۔ یہ تمام تر خیر و برکات صرف وہی حاصل کر سکتا ہے جس نے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کی ہو گی اور وہ تلاوت کے احکام و آداب سے آشنا ہو گا۔ طہارت اور نماز سنت کے مطابق وہی ادا کر سکے گا جس نے اس کا صحیح طریقہ سیکھا ہو گا۔ وعلی ہذا القیاس، اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے آیتِ کریمہ: ﴿ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ [محمد: ١٩] کے تحت عنوان قائم کیا ہے: ''بَابُ الْعِلْمِ قَبْلَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ''

یعنی کسی بھی قول یا عمل سے پہلے اس کے بارے میں آگاہی حاصل کرنا ضروری ہے، ورنہ وہ اپنی افادی حیثیت کھو دے گا۔

نیز ارشادِ نبوی ہے:

((طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ))[1]

یعنی مبادیاتِ دین اور روز مرہ کے عمومی مسائل کے بارے میں احکامِ شریعت معلوم کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے ضروری ہے۔ اور حقیقی علم وہ ہے جو انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی خشیت اور تقویٰ پیدا کرے، جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ﴾ [الفاطر: ٢٨]

''اللہ سے تو اس کے بندوں میں سے صرف جاننے والے ہی ڈرتے ہیں۔''

---

[1] رواہ ابن ماجہ بإسناد صحیح.

اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم ﷺ کو یہ دعا سکھلائی:

﴿ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا ﴾ [طٰهٰ: ۱۱۴]

''اور کہہ اے میرے رب! مجھے علم میں زیادہ کر۔''

علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

''لَوْ كَانَ شَيْءٌ أَشْرَفَ مِنَ الْعِلْمِ لَأَمَرَ اللّٰهُ تَعَالىٰ نَبِيَّه ﷺ أَنْ يَسْأَلَهُ الْمَزِيْدُ مِنْهُ كَمَا أَمَرَ أَنْ يَّسْتَزِيْدَهُ مِنَ الْعِلْمِ''

''اگر علم سے افضل کوئی دوسری چیز ہوتی تو اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو اس میں اضافے کے لیے دعا کا اسی طرح حکم دیتے، جیسا کہ علم میں اضافے کے لیے ترغیب دلائی ہے۔''

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ))[1]

''تم میں سے بہتر وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور دوسروں کو سکھلایا۔''

ایک دوسری روایت میں ارشاد فرمایا:

((إِنَّ أَفْضَلَكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ))[2]

''یقیناً تم میں سے سب سے افضل وہ ہے جس نے قرآن کا علم حاصل کیا اور دوسروں کو اس کی تعلیم دی۔''

قرآن و حدیث کا علم ہی حقیقی علم ہے جس کے طالب کو انبیا علیہم السلام کا وارث قرار دیا گیا ہے، جس کے حصول کے لیے گھر سے نکلنے والے خوش نصیب

---

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۵۰۲۷)

[2] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۵۰۲۸)

شخص کے آگے فرشتے ادب سے اپنے پر بچھاتے اور کائنات کی ہر چیز، حتی کہ چیونٹیاں اپنی بلوں میں اور مچھلیاں سمندر میں اس کے لیے دعا گو ہوتی ہیں۔ علمِ دین کا حصول ایک عظیم سعادت ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ یہ موقع فراہم کرے، یہ اس کی عظیم عنایت ہے۔ قرآن و حدیث کے علاوہ باقی تمام علوم فن کی حیثیت رکھتے ہیں، جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كُلُّ الْعُلُوْمِ سِوَى الْقُرْآنِ مَشْغَلَةٌ
إِلَّا الْحَدِيْثَ وَعِلْمَ الْفِقْهِ فِيْ الدِّيْنِ

''قرآن و حدیث کا علم اور فہم حاصل کرنا ہی اصل علم ہے، اس کے علاوہ تمام علوم فن کی حیثیت رکھتے ہیں۔''

دنیوی علوم، مثلاً طب و تجارت اور صنعت کی تعلیم حاصل کرنا بھی مباح ہے اور اگر اس میں خدمتِ خلق کی نیت ہو تو اجر و ثواب بھی حاصل ہو سکتا ہے۔

طلبِ علم کے تقاضے

1 خلوصِ نیت:

دین کا علم حاصل کرنا عبادت ہے اور عبادت کی قبولیت کے لیے خلوصِ نیت شرط ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَآ أُمِرُوٓا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ﴾ [البينة: ٥]

''اور انھیں اس کے سوا حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس حال میں کہ اس کے لیے دین کو خالص کرنے والے ہوں۔''

علامہ ابن جماعہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"حُسُنُ النِّيةِ فِيُ طَلَبِ الُعِلم بأن يقصدَ به وَجه اللّٰهِ تعالىٰ وَالُعملَ بِه، وَتنوير قَلبِه وَتحلية باطِنِه وَالُقُرُبَ مِنَ اللّٰهِ تَعَالىٰ يَوُمَ الُقِيامَةِ وَالتَّعُرضَ لِمَا أَعَدَّ لِأَهُلِهِ مِنُ رِضُوَانِهِ وَعَظِيم فَضُلِه"

"طلبِ علم میں حسنِ نیت سے مقصود یہ ہے کہ علم محض اللہ کی رضا کے لیے اور علم کے مطابق عمل کرنے کی غرض سے اور دل کی صفائی، اپنے باطن کی اصلاح اور قربِ الٰہی کے حصول اور اہلِ علم کے اللہ تعالیٰ نے آخرت میں اپنی رضوان اور فضل و کرم جیسے جو عظیم الشان انعامات تیار کیے ہیں، ان کو پانے کی غرض سے علم حاصل کیا جائے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنُ طَلب الُعِلُم ليبَاهِي بِهِ الُعُلمَاء ويُمَاري بِهِ السُّفهَاء أَوُ لِيَصُرفَ وُجُوُهَ النَّاس إِلَيُه فَهُوَ فِيُ النَّار)) [1]

جس نے اہلِ علم کے سامنے فخر و مباہات یا کم علم لوگوں پر برتری حاصل کرنے اور ان کو نیچا دکھانے کی غرض سے یا لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے ارادے سے علمِ دین حاصل کیا، وہ جہنم میں جائے گا۔"

اللہ تعالیٰ ہمیں اس رلا دینے والی بدبختی سے محفوظ رکھے!

معمر بن راشد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

[1] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٢٥٣) وصححه الألباني في صحيح الجامع (٦١٥٨)

"إِنَّ الرَّجُلَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَيأْبىٰ عَلَيْه الْعِلْمُ حَتّٰى يَكُوْنُ لِلّٰهِ"

''جب کوئی شخص غیر اللہ کے لیے (رضائے الٰہی کے حصول کی غرض سے نہیں، بلکہ دنیوی مفاد و اغراض کی خاطر علمِ دین حاصل کرتا ہے) تو علمِ دین اس کا زیور بننے سے انکار کر دیتا ہے (یعنی وہ علمِ دین کی خیر و برکت سے محروم رہتا ہے)۔''

لہٰذا دین کے طالبِ علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ نیت میں اخلاص پیدا کرے اور ہمیشہ اپنے اخلاص کو ٹٹولتا اور اس کی جانچ پڑتال کرتا رہے، کیوں کہ یہ انتہائی بامشقت کام ہے، جیسا کہ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"مَا عَالَجْتُ شَيْئًا عَلَيّ مِنْ نِيَّتِي"

''میرے لیے سب سے مشکل کام اپنی نیت کی اصلاح ہے۔''

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وَأَمَّا سَعَادَةُ الْعِلْمِ فَلَا يُوَرِّثُك إِيَّاهَا إِلَّا بذلُ الْوُسْعِ، وَصدقُ الطَّلَبِ، وَصِحَّةُ النيةِ"[1]

''علم کی سعادت کے حصول کے لیے محنت و کوشش، طلبِ صادق اور نیت کا صحیح ہونا ضروری ہے۔''

2 تقویٰ اور خشیتِ الٰہی:

نیکی اور تقویٰ طالب علم کا زادِ راہ اور حصولِ علم کا بہترین وسیلہ اور ذریعہ

[1] مفتاح دار السعادة (١/١٠٨)

ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۗ ﴾ [آل عمران: ٢٨٢]

"اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تمھیں سکھاتا ہے۔"

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا مشہور واقعہ ہے کہ آپ نے اپنے حافظہ کی کمزوری کی شکایت اپنے استاد امام وکیع رحمہ اللہ سے کی تو انھوں نے فرمایا: خود کو گناہ و معصیت سے دور رکھو، اس لیے کہ علم اللہ تعالیٰ کا نور ہے اور نورِ الٰہی کسی بدعمل اور نافرمان کو نہیں دیا جاتا۔ فرماتے ہیں:

شَكَوْتُ إِلٰى وَكِيْعٍ سُوْءَ حِفْظِيْ
فَأَوْصَانِيْ إِلٰى تَرْكِ الْمَعَاصِيْ
فَإِنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِنْ إِلٰهٖ
وَنُوْرُ اللّٰهِ لَا يُعْطٰى لِلْعَاصِيْ

3 علم کے مطابق عمل کرنا:

عمل علم کا زیور ہے، اسی طرح علم میں رسوخ حاصل ہوتا ہے اور علم نفع مند ثابت ہوتا ہے، ورنہ وبالِ جان بن جاتا ہے۔

4 جہدِ مسلسل اور انتھک محنت:

مشہور مقولہ ہے:

"اَلْعِلْمُ لَا يُعْطِيْكَ بَعْضَه حَتّٰى تُعْطِيَه كُلَّكَ"

"علم اس وقت تک آپ کو اپنا کوئی حصہ عطا نہیں کرے گا، جب تک آپ خود کو مکمل طور پر اس کے حوالے نہیں کر دیتے۔"

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں یحییٰ بن کثیر رحمہ اللہ کا قول ذکر کیا ہے:

"لَا يُنَالُ العلمُ بِراحَةِ الْجِسْمِ"

"تن آسانی کے ساتھ علم دین حاصل نہیں کیا جا سکتا۔"

اور یہ بات معروف ہے:

بِقَدَرِ الكَدِّ تُكْتَسَبُ الْمَعالِي
مَنْ طَلَبَ الْعُلَاءَ سَهِرَ اللَّيَالِي

"انسان کی محنت و کاوش کے کے اعتبار سے مراتب و درجات تقسیم ہوتے ہیں۔ عالی مراتب اور بلند درجات کے متلاشی اس کے حصول میں راتوں کی نیندیں قربان کر دیتے ہیں۔"

یہ نصیحت بھی ہر طالب علم کے پیشِ نگاہ رہنی چاہیے:

أَخِي لَنْ تَنَالَ الْعِلْمَ إِلَّا بِسِتَّةٍ
سَأُنْبِيكَ عَنْ تَفْصِيلِهَا بِبَيَانٍ
ذَكَاءٌ وَحِرْصٌ وَاجْتِهَادٌ وَبُلْغَةٌ
وَإِرْشَادُ أُسْتَاذٍ وَطُولُ زَمَانٍ

5 علم دین کے لیے ماہر اساتذہ کا انتخاب:

امام ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"إِنَّمَا هٰذَا الْعِلْمُ دِيْنٌ فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَأْخُذُوْنَ دِيْنَكُمْ"

یعنی یہ علم دین ہے، لہٰذا یہ بات ملحوظِ خاطر رہے کہ آپ دین کس شخص سے سیکھ رہے ہیں۔ کیا وہ دین کے علم میں رسوخ اور مہارت رکھنے والا اور باعمل

شکل ہے یا بدعقیدہ اور فاسق و فاجر ہے؟

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلْجَهْلُ دَاءٌ قَاتِلٌ وَشِفَاؤُهُ
شَيْئَانِ فِي التَّرْكِيبِ مُتَّفِقَانِ
عِلْمٌ مِنَ الْكِتَابِ أَوْ مِنْ سُنَّةٍ
وَطَبِيبُ ذَلِكَ الْعَالِمُ الرَّبَّانِيُّ

نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يُلْتَمَسَ الْعِلْمُ عِنْدَ الْأَصَاغِرِ))[1]

''قیامت کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ کم علم لوگوں کے ہاں علم تلاش کیا جائے۔''

بقول شاعرِ مشرق ع

میراث میں آئی ہے انھیں مسند ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

6 اساتذہ کا احترام:

یہ بات مشہور ہے:

''با ادب با نصیب، بے ادب بے نصیب''

اور کسی عربی شاعر نے کہا ہے:

إِنَّ الْمُعَلِّمَ وَالطَّبِيبَ كِلَاهُمَا
لَا يَنْصَحَانِ إِذَا هُمَا لَمْ يُكْرَمَا

[1] صححه الألباني في الصحيحة (٦٩٥)

”استاد اور طبیب کا جب تک احترام نہ کیا جائے، ان سے استفادہ ناممکن ہے۔“

اپنے اساتذہ کا غایت درجہ اکرام و احترام ہمارے اسلاف کا طرزِ عمل اور وتیرہ رہا ہے۔ چنانچہ مفسرِ قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اپنی جلالتِ شان کے باوجود حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی سواری کی رکاب تھام لیتے اور فرماتے:

”هٰكَذَا أُمِرْنَا أَنْ نَفْعَلَ بِعُلَمَائِنَا“

”ہمیں اسی طرح اپنے علما کا احترام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔“

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اپنے استاد الاحمر رحمہ اللہ کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھتے اور فرماتے:

”لَا أَقْعُدُ إِلَّا بَيْنَ يَدَيْكَ، أُمِرْنَا أَنْ نَتَوَاضَعَ لِمَنْ نَتَعَلَّمُ مِنْهُ“[1]

”میں اس طرح ہی دو زانو ہو کر آپ کے سامنے بیٹھوں گا، کیوں کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ جن سے ہم نے علم حاصل کیا، ان سے انکساری سے پیش آئیں۔“

لہٰذا دین کے طالبِ علم کو اپنے محسن اور مربی اساتذہ کرام کے مشہد و مغیب میں ان کا اکرام و احترام کرنا چاہیے۔

قارئین کرام! زیرِ نظر رسالہ بلبلِ ہند خطیب الاسلام اور ہمارے اکابرین میں سے ممتاز علمی شخصیت حضرت مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈا نگری رحمہ اللہ کے مضامین کا مجموعہ ہے، جسے ہمارے فاضل دوست حافظ شاہد محمود (فاضل

---

[1] تربية الأولاد في الإسلام للشيخ عبد الله ناصح العلوان (ص:٤٠١)

مدینہ یونیورسٹی) نے بڑے سلیقے سے جمع کیا ہے اور اس افادیت کے پیشِ نظر شیخ عارف جاوید محمدی صاحب نے اس کی اشاعت کا اہتمام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے سب کے لیے نفع مند بنائے۔ آمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعلیم وتربیت کا باہم تعلق

تعلیم کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تربیت پر بھی زور دیا ہے۔قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۗ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝﴾ [الجمعة: ٢]

”اس نے ان ناخواندہ لوگوں میں انہی میں سے رسول بھیجا ہے جو ان کو اس کے احکام پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے (یعنی تربیت و تزکیہ کرتا ہے، ان کے اخلاق کو سنوارتا ہے اور باطن کو پاکیزہ کرتا ہے) اور علم وحکمت کی بات بتاتا ہے (یہ تعلیم کی طرف اشارہ ہے) حالانکہ اس سے پہلے وہ لوگ کھلی گمراہی میں تھے۔“

نیز حدیث شریف میں ارشاد ہے:

((بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ))[1]

”میں اچھے اخلاق کو سکھلانے کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں۔“

نیز ایک حدیث میں، جو مشکات شریف میں وارد ہے، فرمایا:

[1] الموطأ للإمام مالك (٩٠٤/٢) مسند أحمد ٣٨١/٢) المستدرك للحاكم (٦٧٠/٢)

«بُعِثْتُ مُعَلِّماً»① ”میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔“

رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و تربیت کے اثرات

ایک واقعہ:

رسولِ اکرم ﷺ کی ساری زندگی اچھی تعلیم و تربیت ہی میں گزری ہے۔

”الخصائص الکبریٰ“ میں علامہ سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ایک نوجوان شخص نے مسجدِ نبوی میں حاضر ہو کر آپ ﷺ سے کہا کہ میں اسلام کی سب شرطیں قبول کرتا ہوں اور ان پر عمل کروں گا، مگر مجھے زنا کی اجازت دے دی جائے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے ڈانٹنا شروع کیا۔

نبی اکرم ﷺ نے اسے نرمی سے بلایا اور فرمایا:

تو کس عورت سے زنا کرے گا؟ کیا اپنی ماں سے زنا کرے گا؟

کہا: حضور! ماں سے زنا کون کرسکتا ہے؟

فرمایا: اپنی خالہ سے زنا کرے گا؟

کہا: یا رسول اللہ ﷺ! خالہ سے کون زنا کرے گا؟

آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی بہن سے زنا کرے گا؟

کہا: یا رسول اللہ ﷺ! اپنی بہن سے کون زنا کرے گا؟

فرمایا: اپنی پھوپھی سے زنا کرے گا؟

کہا: یا رسول اللہ ﷺ! اپنی پھوپھی سے کون زنا کرے گا؟

---

① سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٢٢٩) سنن الدارمي (١/١١١) اس کی سند میں دو راوی عبدالرحمان بن زیاد افریقی اور عبدالرحمان بن رافع ضعیف ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: سلسلة الأحاديث الضعيفة (١١)

آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی چچی سے زنا کرے گا؟

کہا: یا رسول اللہ ﷺ! اپنی چچی سے کون زنا کرے گا؟

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: واقعتاً کوئی شریف آدمی اپنی ماں سے، اپنی خالہ سے، اپنی بہن سے، اپنی پھوپھی سے اور اپنی چچی سے زنا پسند نہیں کرے گا، اسی طرح کوئی بھی آدمی پسند نہیں کرے گا کہ اس کی ماں، اس کی خالہ، اس کی بہن، اس کی پھوپھی، اس کی چچی سے زنا کیا جائے۔

تو اے بھائی! اب تو کس سے زنا کرے گا؟

یہ بات بہت معقول تھی، جو اس کی سمجھ میں آ گئی۔ آپ ﷺ کے طریقۂ تفہیم، حکیمانہ تربیت اور تزکیۂ نفوس کے سبب اس کا باطن روشن ہو گیا۔ اُس نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! میں اب کسی سے زنا نہیں کروں گا اور اسلام پر اب پوری طرح عمل کروں گا۔[1]

دوسرا واقعہ:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں دس برس تک آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہا۔ شب و روز آپ ﷺ کے گھر میں میرا قیام تھا۔ میری ماں اِمِ سلیم رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے مجھے بطور تحفہ پیش کیا اور یہ کہا تھا:

"إِنَّ رِجَالَ الْأَنْصَارِ وَنِسَاءَهُمْ قَدْ أَتْحَفُوكَ غَيْرِي"[2]

"انصار کے مردوں اور عورتوں نے، میرے سوا، سب نے آپ ﷺ کو

---

[1] مسند أحمد (٥/٢٥٦) السلسلة الصحيحة (٣٧٠)

[2] المعجم الأوسط (٦/١٢٣) المعجم الصغير (٢/١٠٠) (تاريخ صغير للإمام البخاري)

تحفہ دیا، میں بطور تحفہ اپنے لڑکے کو آپ ﷺ کی خدمت کے لیے پیش کرتی ہوں۔ آپ ﷺ اس سے ہر طرح کی خدمت لے سکتے ہیں۔“

رسول اللہ ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اپنی خدمت میں رکھا اور جہاں چاہا بھیجا۔ یہ قاصد بن کر گئے اور کام کر آئے۔ وہ آپ ﷺ کی تربیت کی مثال پیش کرتے ہیں:

”آنحضرت ﷺ نے نہ کبھی مجھے ڈانٹا، نہ کبھی مجھ پر غصہ ہوئے اور نہ کبھی کسی کام کے نہ کرنے پر مجھے تنبیہ کی۔ ہر طرح میری دلجوئی فرماتے رہے۔ آپ ﷺ کی رازدارانہ باتوں کو میں راز میں رکھتا رہا۔ میری ماں دیر سے پہنچنے کا سبب پوچھتیں تو میں کہتا: رسول اللہ ﷺ نے ایک جگہ بھیجا تھا، اس کام کے انجام دینے میں تاخیر ہو گئی۔ ماں نے پوچھا: وہ کیا کام تھا؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ ایک راز ہے جو میں کسی سے نہیں کہوں گا۔ ماں نے کہا: ہاں بیٹا رسولِ اکرم ﷺ کے راز کو اپنے سینے میں پوشیدہ رکھو۔“[1]

اس طرح آپ ﷺ کے خدمت گزار آپ کی تعلیم و تربیت سے سدھر جاتے تھے اور آپ ﷺ کے مرغوبات کو خود بھی استعمال کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو لوکی (کدو) کا شوربہ پسند تھا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی پسند فرماتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و تربیت سے حضرت انس رضی اللہ عنہ بالکل اخلاقِ نبوی میں ڈھل گئے تھے۔

---

[1] الأدب المفرد (۳۹۵/۱) مسند أحمد (۱۹۵/۳)

تیسرا واقعہ:

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے واقعے کو مولانا عبدالوہاب صاحب حجازی نے اپنی کتاب ''اسلامی تربیت'' میں لکھا ہے، ہم اس جگہ یہ واقعہ انہی کی کتاب کے حوالے سے نقل کر رہے ہیں:

''زید ایک کم سن بچے تھے۔ ایک حادثے میں اپنی ماں اور باپ سے بچھڑ گئے۔ شدہ شدہ (آہستہ آہستہ) وہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے۔ زید کے فراق پر ان کے والدین بے حد رنجیدہ تھے، ان کے والد ان کی یاد میں بڑے درد انگیز اشعار پڑھا کرتے تھے، جن کا مفہوم یہ ہے:

> ''میں زید کے لیے رو رہا ہوں، حالانکہ مجھے نہیں معلوم کہ وہ زندہ ہے کہ جس کی اُمید باندھی جائے یا موت نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ سورج جب طلوع ہوتا ہے تو اس کی یاد لے کر آتا ہے اور جب ڈوب جاتا ہے تو اس کی یاد چھوڑ جاتا ہے۔ زید کی تلاش میں میں سفر کرنے سے نہیں تھکوں گا، خواہ اونٹ تھک جائیں۔''

بالآخر وہ بیٹے کی تلاش کے لیے چل نکلے۔ اخیر میں ان کو معلوم ہوا کہ وہ بچہ امام المرسلین، محسنِ اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہے۔

زید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے۔ انھیں قیمت دے کر خریدا گیا تھا، لیکن زید کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا برتاؤ پدرانہ محبت کا تو تھا ہی، سایۂ نبوت میں بچے کی شخصیت کا جو احترام اور اس کی صلاحیتوں کی نشوونما کے لیے جو خوش گوار فضا مہیا تھی، وہ اس

کو کہیں میسر نہ آ سکتی تھی۔ آپ ﷺ کی پدرانہ محبت اور نبوی تربیت کے عظیم اور خوش گوار تجربات نے زید کی فطرت کو آپ ﷺ کی ذات سے وابستہ کر دیا تھا۔

زید کے باپ حارثہ امام المربین ﷺ کی خدمت میں آئے۔ زید کی قیمتِ خرید سے زیادہ قیمت دے کر انھیں لے جانے کی آپ ﷺ سے درخواست کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر زید آپ کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو تو آپ لے جائیں، اس کی کوئی قیمت نہیں اور اگر تیار نہیں تو میں کوئی زور نہیں ڈال سکتا۔ آپ ﷺ نے زید کو طلب فرمایا اور کہا: یہ تمھارے باپ ہیں، تمھیں لینے کے لیے آئے ہیں:

"إِنْ شِئْتَ فَأَقِمْ عِنْدِيْ، وَإِنْ شِئْتَ فَانْطَلِقْ مَعَ أَبِيْكَ، فَقَالَ: بَلْ أُقِيْمُ عِنْدَكَ"

"اگر تم چاہو تو میرے پاس رہو اور چاہو تو اپنے باپ کے ساتھ چلے جاؤ۔ زید نے کہا: میں آپ ﷺ ہی کے پاس رہوں گا۔" فداہ أمي وأبي صلی اللہ علیہ وسلم.

امام المربین ﷺ سے زید کی والہانہ وابستگی کو دیکھ کر حارثہ بھی نقدِ دل ہار گئے اور دلی مسرت کے ساتھ انھیں محسنِ عالم کی تربیت میں چھوڑ گئے۔[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تربیتِ نبوی کے اثرات:

رسولِ کریم ﷺ کی پر حکمت تعلیمات اور تربیت و تزکیہ کا خاطر خواہ اثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر پڑا۔ اصحابِ کرام سے، آنحضرت ﷺ کی تعلیم و تربیت سے

[1] السيرة النبويه لابن هشام، بحوالہ اسلامی تربیت (ص: ۱۵۸)، مطبوعہ ادارۃ البحوث الاسلامیہ والدعوۃ والافتاء بالجامعۃ الاسلامیہ، بنارس۔

ایسے روشن ضمیر، اصحابِ دل، بیدار مغز، حوصلہ مند، مستعد، کارگزار، جہاد کے صفِ اول کے مجاہدین پیدا ہوئے اور ایسے ایسے زبردست علما، فضلا، صلحا، اتقیا، ابرار، خدا کی راہ میں بے محابا خرچ کرنے والے اسخیا، اصحابِ ثروت پیدا ہوئے کہ ان کی مثال پیش کرنے سے ساری دنیا عاجز ہے کہ کس کس کا نام لیا جائے اور کن کن اوصاف کو نمایاں کیا جائے۔

اکبر الٰہ آبادی نے رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و تلقین اور تربیت و تزکیہ کے اثرات پر کیا خوب لکھا ہے:

در فشانی نے تیرے قطروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا، آنکھوں کو بینا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

نیز مفکرِ ملت علامہ اقبال نے لکھا ہے:

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی ست

''اپنے آپ کو مصطفیٰ ﷺ کا متبع بنا، اگر تو ایسا نہ کر سکا تو یہ سب بولہبی ہے۔''

چونکہ ہم زمانۂ حال کی کچھ جگ بیتی و آپ بیتی سنانا چاہتے ہیں، جو علما، مدرسین اور والدین کے صحیح تعلیم و تربیت اور ہمہ وقتی نگہبانی و نگرانی سے تعلق رکھتی ہیں، اس لیے اس مختصر مقالے میں اصحابِ کرام، تابعین عظام، محدثین، واعظین

اور خطبائے کرام کی تعلیم و تربیت سے متعلق باتیں یہاں نہیں نقل کر سکتے۔ یہ مختصر رسالہ اس کا متحمل نہیں کہ ان ائمہ سلف کے تعلیم و تربیت کے اثرات اور افہام و تفہیم کے انوار و برکات یہاں نوٹ کیے جا سکیں۔

کسی صاحبِ دل عظیم مصنف اور عظیم مورخ نے اپنی کسی کتاب میں اس موضوع پر لکھا تو ہو گا، لیکن وہ میری نظر سے نہیں گزرا، البتہ اگر ہمارے مولانا صلاح الدین صاحب، جو تذکرہ نگاری اور محققانہ تالیف و تصنیف کا ذوق بدرجۂ کمال رکھتے ہیں، بلکہ عروۃ الوثقیٰ تک پہنچ چکے ہیں، وہ ایسی کسی کتاب کا نام لیں یا کسی صاحبِ علم و فضل کو اس پر تحریر کرنے کی ترغیب دیں تو ہو سکتا ہے کہ اللہ کے بندے اس موضوع کا حق ادا کرنے کے لیے قلم اٹھائیں:

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالیست
شاید کہ پلنگے خفتہ باشد

''ہر جنگل کو خالی نہ سمجھو، شاید کہیں چیتا سویا ہوا ہو۔''

ہر گلی اور کوچے میں ہر طرح کے لوگ مل جاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کچھ مردانِ علم و فن اپنے سیر و سوانح سے واقفیت کے باعث ایسے اچھوتے موضوع کا حق ادا کر سکیں۔ لعل اللہ یحدث بعد ذلك أمراً.

زمانہ حال اور زمانہ ماضی قریب کے چند واقعات تعلیم و تربیت اور تزکیۂ باطن کے متعلق ہم ایک ایک کر کے پیش کر رہے ہیں۔ آج کے اساتذہ بھی اسی طرح نظر رکھیں، جو موجودہ زمانے میں دار الحدیث رحمانیہ دہلی کے اساتذہ میں تھی، وہی نظرِ شفقت، وہی نظرِ تربیت ہمارے موجودہ اساتذہ کو نصیب ہو جائے تو

پھر سے خوش گوار ماحول اور خوش گوار اثرات پیدا ہو جائیں اور علم و فضل کی دنیا تربیت یافتہ اور مزکیّٰ و مجلیّٰ ہو جائے اور زمانے میں خود وہ بھی قدر و قیمت کے حامل ہوں۔

اب تھوڑی سی حصولِ علم کی باتیں علمائے سلف کی لکھی جا رہی ہیں، ان کی بے پناہ محبت اور عظیم تصنیفات کا تذکرہ کر کے حکیمانہ تربیت کی مثالیں پیش کی جائیں گی۔ إن شاء اللہ

حصولِ علم کے لیے آزمائش

یہ دنیا دار العمل بھی ہے اور دار العلم بھی۔ یہاں امتحانات بھی ہوتے ہیں اور آزمائشیں بھی۔ امتحان و آزمائش میں پورے اُترنے والوں اور صبر وسکون سے کام کرنے والوں کے درجات بلند ہوتے ہیں، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّٰبِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿١٠﴾ ﴾ [الزمر: ١٠]

''امتحانات میں صبر و ضبط کرنے والے مومن بندے خدا کی جانب سے بے حساب اجر وثواب پائیں گے۔''

نیز اہلِ علم کے بارے میں ارشاد ہوا:

﴿ يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَٰتٍ ﴾

[المجادلة: ١١]

''تم میں سے جو مومن اور اہلِ علم حضرات ہیں، خدا ان کے درجات و مراتب کو بلند فرمائے گا۔''

امام بخاری رحمہ اللہ کے نام اور ان کی علمی خدمات سے آج کوئی پڑھا لکھا شخص ناواقف نہیں ہے، لیکن ان کی محنت اور علم کے راستے میں مشقت اٹھانے کے حالات سے اکثر لوگ بے خبر ہیں۔ انھوں نے عرب دنیا کی خاک چھانی اور ہر شہر اور علما کے مرکز میں پہنچ کر ان کی خوشہ چینی کی، پھر وہ امامِ زمانہ بنے، ان کو ''جبل الحفظ''

(حفظ کا پہاڑ) کہا گیا، جیسا کہ ایک شاعر نے محنت کے سلسلے میں کہا ہے:

نامی کوئی بغیر مشقت نہیں ہوا
سو بار جب عقیق کٹا تب نگیں ہوا

حصولِ علم میں علمائے سلف کی بے پناہ محنت

❁ امام بخاری رحمہ اللہ نے شہر بصرہ، کوفہ، بغداد، مصر، شام، ہرات، مکہ اور مدینہ وغیرہ تک پیدل چل کر بڑی محنت اور جدوجہد سے تعلیم حاصل کی۔ پیروں میں چیتھڑے باندھ کر مسافت طے کرتے۔ آج کی طرح آسانیاں گاڑی وغیرہ کی ہوتیں تو نہیں معلوم کہ آپ کا سفر کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہوتا۔[1]

❁ امام فخر الدین رازی کھانے کے اوقات کو تضییعِ اوقات میں شمار کرتے اور اس بات پر افسوس کرتے کہ ہمارا اتنا وقت ضائع اور بے کار گیا، اس وقت میں کوئی علمی شغل اور تحریری کام انجام نہ دے سکا، چنانچہ ان کا قول ہے:

"وَاللّٰهِ إِنِّيْ لَأَتَأَسَّفُ فِيْ الْفُوَاتِ عَنِ الْاِشْتِغَالِ بِالْعِلْمِ وَقْتَ الْأَكْلِ"[2]

❁ امام نووی رحمہ اللہ (شارح مسلم شریف) کا نام سب لوگ اچھی طرح جانتے ہیں، ان کی محنت و مشقت اور تعلیم میں مستعدی اور سرگرمی کا حال سنیے کہ یہی امام نووی رحمہ اللہ بارہ اسباق کا روزانہ مطالعہ کرتے تھے اور درس بھی دیتے، پھر حفظ بھی کرتے تھے۔

---

[1] حسن البيان على سيرة النعمان (ص: ١٦٧) وسيرة البخاري (ص: ٢٣)

[2] عيون الأبناء (٢/٢٣)

- علامہ مجدالدین فیروز آبادی بھی حصولِ علم کے لیے اسی طرح محنت کرتے تھے کہ روزانہ چار سو سطریں حفظ کر لیتے تھے۔[1]
- علامہ ابو اسحاق شیرازی بھی اپنے تمام اسباق، جو اساتذہ سے حاصل کرتے تھے، ان کو روزانہ بلاناغہ سو سو بار تکرار کر کے حفظ تک پہنچا دیتے تھے۔ آپ مدرسہ نظامیہ بغداد کے صدر مدرس بھی تھے اور شہیرِ خلائق اور ایسے نامور تھے کہ جب مولانا سفر میں نکلتے تو خوشی میں شہر والے اپنے دکان کے سامان لٹاتے۔ شیخ منع بھی فرماتے، لیکن اسی قدر جوش وخروش بڑھتا رہا۔[2]

آج کے طلبا:

لیکن آج کل کے طلبہ میں یہ خوبی ہے نہ محنت و مشقت کی عادت، نہ تو وہ اپنے اسباق کا سو سو بار تکرار کرتے ہیں نہ ایسا ذوق وشوق رکھتے ہیں، بلکہ دو چار دفعہ بھی تکرار کرنا ان کے لیے مشکل ہے، اسی طرح نہ آگے والے اسباق کا مطالعہ کرتے ہیں نہ تدریس کی تیاری۔ پھر قرآن کریم کے حفظ کا موقع بھی نہیں نکال سکتے نہ فیروز آبادی کی طرح چار سو سطریں حفظ کر سکتے ہیں۔ جب وہ محنت ہی نہیں تو وہ نتائج کہاں سے برآمد ہوں جو محنتوں پر موقوف ہیں؟!

آج کے زمانے میں ہر طالب علم چاہتا ہے کہ ہم رازی بن جائیں، غزالی جیسے امام بنیں اور سیوطی جیسے عظیم مصنف ہو جائیں، لیکن ان کی طرح محنت نہیں کرتے، حالانکہ رفع درجات اور بلند مراتب حاصل کرنے کے لیے محنت اور کدوکاوش شرط ہے۔ حالی مرحوم نے کیا خوب فرمایا ہے:

---

[1] درر کامنہ و تاریخ ابن خلکان (ص: 334)

[2] سیر العلماء، مولفہ: عبدالحلیم شرر۔

یہی جو پھرتے ہیں بے علم جاہل
ہزاروں انہی میں تھے پوشیدہ کامل

اگر فکرِ کسب و ہنر تم کو بھی ہو
تمھی بونصر تمھی بو علی ہو

نہ ہوتے اگر مائلِ لہو بازی
ہزاروں انہی میں تھے طوسی و رازی

طبیعت کو بچپن سے محنت میں ڈالا
ہوئے اس لیے صاحبِ قدر والا

نہ تھا بوعلی کچھ جہاں سے نرالا
نہ بونصر تھا نوع میں ہم سے بالا

نیز مفکرِ ملت علامہ اقبال مرحوم لکھتے ہیں:

بے محنت پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا
روشن شرر تیشہ سے ہے خانۂ فرہاد

خونِ رگِ معمار کی گرمی سے ہے تعمیر
مے خانۂ حافظ ہو کہ بت خانۂ بہزاد

آج یہی محنت پیہم طلبہ میں نایاب ہے، جس کی وجہ سے ان کے اندر کوئی جوہر پیدا نہیں ہوتا۔ وہ امام رازی، غزالی اور علامہ مجدالدین فیروز آبادی جیسی قابلیت وصلاحیت کے مالک نہیں ہوتے۔ اب تو بزبانِ شاعران کی حالت یہ ہے:

صبح آرام سے گزرتی ہے
شب دلآرام سے گزرتی ہے

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے

جب ایسے لوگوں کی صبح و شام ضائع ہو گی، رات دلبروں، دلنوازوں، سینما ہالوں، ٹیلی ویژنوں میں گزرے گی، دن کے اوقات تاش وشطرنج اور لہو ولعب میں کٹیں گی تو ایسے طلبا کیا علم حاصل کریں گے؟ ایسی صبح ایسی شام اور ایسے ناقص تربیت والے مقام سے طلبہ کو ہزار توبہ کر کے نکل جانا چاہیے۔

علمائے سلف کی عظیم تصنیفات

جب علم حاصل کرنے والوں نے رات دن اپنے علم میں مشغول رہ کر ناموری پیدا کی تو علم کی باتیں بھی پیچھے والوں کے لیے اس قدر لکھیں کہ عظیم اور قیمتی تصنیفات کی شکل میں تیار ہو گئیں، جو رہتی دنیا تک یادگار رہیں گی:

1. چنانچہ ابن الجوزی کا علم ان کے تراشۂ قلم سے محسوس کیا جا سکتا ہے، یعنی انھوں نے کتابوں کے لکھنے کے وقت چاقو سے جو قلم تراشا، اس سے اتنے تراشے جمع ہو گئے کہ انھوں نے اپنے انتقال کے وقت یہ وصیت کی کہ میرے غسل کرنے کے لیے جو پانی گرم کیا جائے، ان کے لیے دوسری لکڑیاں نہ جلائی جائیں، بلکہ میرا پانی انہی تراشوں سے گرم کیا جائے۔ چنانچہ پانی انہی تراشوں سے گرم کیا گیا، لیکن پھر بھی تراشے بچ گئے۔[1] اس واقعے سے ان کی پاکیزہ نیت اور علمی محنت کا اندازہ کیجیے۔

2. کثرتِ تصنیفات میں یہی حال امام محمد بن جریر طبری کا ہے، ان کی

[1] مقدمة تحفة الأحوذي (ص: ١٣)

تصنیفات کا اوسط روزانہ پچاس ورق سو صفحات کا نکلتا ہے۔[1]

اس سے ان کی تحریری خدمت اور عظیم محنت کا اندازہ لگانا آسان ہے۔

3 علامہ ابن حزم ظاہری کی چار سو مجلدات، 80 ہزار اوراق میں لکھی گئیں۔

(مقدمہ ملل)

یہ عظیم خدمت اور انتھک محنت شب و روز علمی کاوشوں اور علمی جدوجہد میں مشغول رہنے والے حضرات ہی انجام دے سکتے ہیں۔ افسوس ہے کہ تعلیم دینے والے تو ہزاروں مدرسین ہیں، لیکن صحیح اور مخلصانہ ڈھنگ سے تربیت دینے والے اساتذہ کا فقدان ہے۔ إلا ما شاء الله

تعلیم کے ساتھ حکیمانہ تربیت کی ایک مثال

شیخ سعدی نے اپنے استاد علامہ ابن الجوزی سے اپنے ایک ساتھی کی شکایت کی کہ فلاں دوست مجھ پر حسد کی نگاہ رکھتا ہے تو ان کے استاد نے فوراً کہا:

حسودی پسندت نہ آید ز دوست
نہ دانم کہ گفتت کہ غیبت نکوست

گر اُو راہ دوزخ گرفت از خسی
ازیں راہ دیگر تو در وے رسی[2]

''اگر تجھ کو دوست کا حسد پسند نہیں ہے تو مجھے نہیں معلوم کس نے تم کو بتلایا کہ غیبت کرنا اچھی بات ہے۔ اگر تیرا ساتھی اپنی کمینگی سے

[1] تذکرۃ الحفاظ (۲/۲۷۹)

[2] بوستاں، باب ہفتم۔

دوزخ میں جائے گا تو تُو بھی اپنی غیبت اور بدگوئی کی وجہ سے جہنم میں پہنچے گا۔''

ایسے مشفق استاد اور ایسی صحیح تربیت دینے والے پروقار اساتذہ اس زمانے میں نایاب ہیں۔

اساتذہ کی تربیت کی ایک اور مثال

جس زمانے میں جامعہ رحمانیہ مدن پورہ بنارس میں حضرت استاذنا العلام مولانا نذیر احمد رحمانی طلبہ کی تعلیم و تربیت کے فرائض پر مامور تھے، اسی زمانے میں ایک طالب علم مولوی محمد عمر نام کے محلّہ پانڈے ہولی دار الاقامہ میں تمام طلبہ کے ساتھ مقیم تھے۔

حضرت مولانا مرحوم کو جب یہ خبر ملی کہ یہ لڑکا سینما دیکھنے کا عادی ہے اور ایک دن کی تحقیق کے بعد جب بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی تو اس لڑکے کو ایک دن بلایا کہ تم رات میں کہاں تھے؟ اس نے بتایا کہ فلاں مسجد میں رات گزاری تھی۔ چونکہ مولانا نے ازراہِ تربیت دار الاقامہ کا دروازہ بند کرا دیا تھا، چنانچہ وہ سینما دیکھ کر مدرسے میں نہ آ سکا۔

پوچھا: مسجد میں کیوں گئے تھے؟ کوئی صحیح جواب اس کے پاس نہ تھا۔ آپ نے فرمایا: فلاں فلاں نے تم کو سینما دیکھتے ہوئے دیکھا ہے، لہٰذا ایسے بداخلاق لڑکے کو اپنے دارالاقامہ میں ایک منٹ رہنے کی اجازت نہیں دیں گے اور نہ ہم آئندہ تمھیں تعلیم دے سکتے ہیں۔

محلے کے کچھ لوگوں نے سفارش کی کہ یہ لڑکا آٹھویں جماعت کا ہے، اس کا آخری سال ہے، دو تین مہینے میں پڑھ کر فارغ ہو جائے گا، مہربانی فرما کر اس کو داخل کر لیں، ورنہ اس کا سال خراب ہو جائے گا۔

مولانا نذیر احمد رحمانی نے فرمایا: تو کیا نا تربیت یافتہ طالب علم کو رکھ کر میں اس کو سند دے کر اس کی سند پر دستخط کروں گا کہ یہ لڑکا صحیح اعمال و اخلاق کا ہے؟ کیا میرا خون اس وقت سفید رنگ کا ہو جائے گا کہ ایسے باؤلے پن کو اختیار کروں اور اس کو سند دے دوں؟

آخر مولانا نے اس کو خارج کر دیا اور کوئی سفارش اس راہ میں حائل نہ ہوئی۔

یہ روایت ان طلبہ سے ہم نے سنی ہے جو اس وقت مولانا مرحوم کے زیرِ تربیت تھے۔ مولانا محمد حنیف صاحب (موہنکولہ، سدھارتھ نگر) اس کے راوی ہیں۔

اس تربیت گاہ سے کتنے باضمیر اور بااخلاق لوگ نکلے اور کتنوں ہی کی زبانی میں مولانا مرحوم کی اخلاقی تربیت کے واقعات سن چکا ہوں۔ آج کے دور میں ایسی نظرِ تربیت رکھنے والے مدرسین اور اساتذہ پیدا ہو جائیں تو آج بھی لڑکوں کا کریکٹر اور تہذیب درست ہو سکتی ہے۔ کسی شاعر کا ایک شعر ہے:

فیض روح القدس ار باز مدد می فرماید

دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

”روح القدس کا فیض اگر پھر معاون و مددگار ثابت ہو، تو دوسرے لوگ بھی وہ کارنامے سرانجام دیں جو مسیحا نے دیے۔“

اصل تربیت والدین کی تربیت ہے

ڈاکٹر اقبال اپنی کتاب میں ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ ایک سائل ہمارے دروازے پر آیا اور بھیک مانگنے کے لیے زور زور سے صدا لگانے لگا۔ میں نے اُس کو ڈانٹ دیا کہ خاموش رہو۔ وہ پھر صدا لگانے لگا، میں نے اُس کو ڈانٹ دیا کہ خاموش رہو۔ وہ صدا لگانے پر مجبور ہو کر پھر زور زور سے آواز دینے لگا تو میں نے اس کو جھڑکا اور ایک طمانچہ مار دیا۔

اُسی وقت میرے والد صاحب وارد ہوئے اور کہنے لگے کہ تم نے اس بے چارے سائل کو جھڑکا بھی اور طمانچے سے مارا بھی۔ ایک غریب و نادار جو تمھارے دروازے پر آیا، اس کو تم نے شریعت کے خلاف عمل کر کے مار بھگایا، ہم سے دن قیامت کے جب حق تعالیٰ سوال کرے گا کہ میں نے تمھیں ایک نوجوان عطا کیا تھا، تم نے اس کو ایک کندہ ناتراش بنا دیا اور رسول اللہ ﷺ کے اُسوہ پر چلنے کی اسے سعادت میسر نہ ہوسکی، آخر تم نے اس نوجوان کی صحیح تربیت کیوں نہ کی تو میں حق تعالیٰ کے اس سوال کا کیا جواب دوں گا؟

علامہ اشعار میں اس واقعے کو لکھتے ہیں:

حق جوانے مسلمے با تو سپرد
کو نصیبے از دبستانم نبرد

از تو ایں یک کار آساں ہم نہ شد
یعنی ایں انبارِ گِل آدم نہ شد

''ایک مسلمان جوان کا حق تیرے سپرد ہو کہ اس نے میرے دبستان

سے کوئی حصہ نہ لیا۔ تجھ سے یہ آسان سا کام نہ ہو سکا، یعنی مٹی کا یہ انبار انسان نہ بن سکا۔“

ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں کہ والد صاحب کی اس نصیحت سے میں بہت شرمندہ ہوا اور ہمیشہ سائلوں کی خدمت اور قدر کرنے لگا۔

اس واقعے سے معلوم ہوا کہ والدین کی تربیت کا اولاد پر خاص اثر پڑتا ہے اور اولاد اگر ازلی وابدی شقی (بدبختی) کے درجے میں نہ ہو تو ضرور ماں باپ کی تربیت واصلاح قبول کرے گی اور معاشرے میں صالح اور مصلح بنے گی۔

والدین کی تربیت بھی اثر انداز ہوتی ہے

اسی طرح باپ کی تربیت کا ایک واقعہ مدن پورہ بنارس کے ایک رئیس اعظم کا ہے کہ مدن پورہ میں حاجی عبدالرحمان صاحب کی کوٹھی میں دس بجے بیوپار کا کام زور وشور سے ہو رہا تھا کہ ایک سائل آ گیا اور اس نے اپنا سوال پیش کر دیا۔

وہ سائل کوئی مولوی صاحب تھے، ان سے مولانا عبدالمتین صاحب مرحوم نے کہا کہ آپ لوگ بے وقت آ جاتے ہیں، کاروبار کے عین شباب کے وقت اور کافی مشغولیت رہتی ہے، کسی کا حساب چکانا ہے، کسی مال اور ساڑی کا معاینہ کرنا ہے، کسی کو ریشم وغیرہ دینا ہے، کسی کو کام کی نوعیت بتانا ہے اور کسی کو واپس شدہ مال کی بابت کاریگروں کو سمجھانا ہے کہ خریدار نے اس طرح کا مال مدراس میں مانگا ہے، اس طرح مشغول کاروبار میں آپ لوگ سوال کر کے ہمیں ڈسٹرب کرتے ہیں۔

چنانچہ وہ سائل شرمندہ ہو کر واپس چلے گئے، انھوں نے اپنی زبان روک

لی، مولانا عبدالمتین صاحب کے والد حاجی عبدالرحمان صاحب آئے، ان کو یہ معلوم ہوا کہ فلاں مولانا صاحب بے نیلِ مرام واپس چلے گئے اور ناراض ہو کر گئے ہیں تو انھوں نے مولوی عبدالمتین مرحوم سے کہا کہ فوراً اپنے قاصدوں کو بھیجو، مولانا کو تلاش کر کے واپس لائیں۔ دو تین آدمی ادھر ادھر روانہ کیے گئے، ایک صاحب کو مولانا اسٹیشن کی طرف جاتے ہوئے مل گئے، مولانا صاحب سے کہا کہ آپ کو حاجی صاحب نے بلایا ہے اور معذرت کی ہے کہ بغیر مقصد حاصل کیے ہوئے جا رہے ہیں، جو ضرورت ہو گی ہم پوری کر دیں گے، ہم سے ملے بغیر مت جائیں، وہ مولانا صاحب واپس ہوئے۔

حاجی عبدالرحمان صاحب نے اپنے بیٹے مولوی عبدالمتین کی ناسمجھی کی ملامت کی اور مولانا سے معافی مانگی، پھر حاجی صاحب نے مولانا کی خاطر خواہ مدد کر دی۔

اس طرح ماں باپ کی تربیت جب صالح اولاد کو ملتی ہے تو ان کی نگاہِ تربیت سے اولاد فیض یاب ہوتی ہے اور ان کی نگاہِ تربیت سے وہ نیک اور صالح اور معاشرے کے بہترین انسان سمجھے جانے لگتے ہیں۔

میری تربیت والدین کی نظرِ شفقت وعنایت کے تحت ہوئی

میں نے جامعہ رحمانیہ بنارس میں شروع شروع میں بائیس تیئس برس کی عمر میں مدرسی اختیار کی۔ یہ بقرعید کی تعطیل کا زمانہ تھا، جس دن میں نے اپنے چچا محمد امین خان سے کہا کہ آج بنارس جانے کے لیے آپ سے اجازت طلب کر رہا ہوں۔ چونکہ اس دن بارش ہو رہی تھی اور پاپیادہ دس گیارہ میل کا سفر تھا۔ جوانی کا وقت تھا۔ میں نے پیدل ہی سفر کرنا طے کر لیا تو چچا صاحب نے فرمایا:

آج کیسے جا سکتے ہو؟ بارش ہو رہی ہے، پھر انھوں نے کہا: دیکھو یہ حلوان بچہ بندھا ہوا ہے، ابھی آج ذبح ہوگا، آج اس کا گوشت کھا لو، کل چلے جاؤ۔

میں نے کہا: کل سے جامعہ رحمانیہ کا درس شروع ہے، میں ناغہ نہیں کر سکتا اور میں نے ان سے کہا کہ مجھے ایک چوکیدار چاہیے جو میرے اوپر چھتری لے کر چلے۔ چچا صاحب نے رکنے پر اصرار کیا، میں نے پھر ٹھہرنے سے معذرت کی اور راہنما آدمی مانگا، انھوں نے دو آدمی دیے، ایک وہ جو میرے ساتھ رہے اور سامان اٹھائے رکھے اور ایک وہ جو میرے اوپر چھتری لگا کر چلے۔

ہم اسی حالت میں چلتے ہوئے بہادر گنج کے ایک سرہی نالہ پر پہنچ گئے۔ ایک ہندو سادھو مجھے دیکھ کر ''جے سیارام! جے سیارام!'' کہنے لگا، میں نے پوچھا: ندی میں باڑھ تو نہیں آئی؟ سیلاب تو نہیں ہے؟ اس نے کہا: ابھی سیلاب نہیں ہے۔

میں ان دونوں آدمیوں کے ساتھ ندی میں چلنے لگا۔ جب ندی میں میرے پاؤں اٹھنے لگے اور بوجھل معلوم ہونے لگے تو میں نے رخ پھیر لیا اور دونوں آدمیوں کے ساتھ ندی سے باہر نکل آیا۔ پھر ریلوے لائن پکڑنے کے لیے گھوم کر موضع گلری آیا، وہاں سے ریلوے لائن قریب ہے۔ ریلوے لائن پکڑ کر آدھے گھنٹے میں مدرسہ جھنڈانگر آ گیا۔ محترم والد صاحب سے سامنا ہوا تو میں نے سلام کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ وہ کتاب وسنت کے شیدائی تھے اور رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کا ان کو بڑا ہی لحاظ واحترام تھا۔

میں نے جوانی کے عالم میں کچھ ڈاڑھی کٹائی تھی اور خیال نہیں تھا کہ اس پر مجھے سرزنش ہوگی۔ جب میں ان کے مقابل ہوا تو انھوں نے سلام سے

اعراض کرتے ہوئے مجھ کو مردود اور تارکِ سنت اور بہت ہی لعن طعن کی باتیں کہیں۔ میں ان کی باتیں سنتا ہوا افسوس کرتا ہوا گھر میں اپنی والدہ کے پاس پہنچ گیا۔ میری والدہ ماجدہ اس وقت بیمار اور کمزور تھیں۔ میں نے حاضر ہو کر جو کچھ تھوڑا بہت کھانا تھا، ان کی شفقت بھری محبت کی فضا میں کچھ کھا لیا اور والدہ ماجدہ سے علیک سلیک کر کے بنارس کے لیے رخصت ہوا۔

والد صاحب سے سامنا کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ کسی اور راستے سے نکل کر اسٹیشن پہنچ گیا۔ ایک طالب علم اسٹیشن پر ملا۔ والد صاحب کا لکھا ہوا خط جو شفقت و محبت اور زجر و تنبیہ کے مضامین پر مشتمل تھا، مجھ کو طالب علم سے ملا، اس میں لکھا تھا:

''تم بنارس جا رہے ہو، جاؤ، تم مدرسے پر بروقت حاضری دے رہے ہو، بہت خوشی ہوئی، لیکن جو تم نے ترکِ سنت کی ہے اور ڈاڑھی کٹوا لی ہے اس سے میرا آتشِ غضب بھڑک اٹھا اور تم کو سخت لعنت ملامت کی۔ تم جانتے ہو کہ میرا مزاج آتشی ہے، میں خلافِ سنت کوئی کام برداشت نہیں کر سکتا۔''

اس خط کے پڑھنے کے بعد مجھے شیخ سعدی رحمہ اللہ کا ایک شعر یاد آ گیا، وہ لکھتے ہیں کہ ماں باپ سختی بھی کرتے ہیں تو ان کے اندر نرمی اور شفقت بھی ہوتی ہے اور دونوں کے خلط ملط سے مزاجوں کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں ع

درشتی و نرمی بہم در بہ است
چوں رگزن کہ جراح مرہم نہ است

''درشتی اور نرمی دونوں ہی بہتر ہیں، جس طرح فصد کرنے والا کہ وہ

چیر پھاڑ بھی کرتا ہے اور مرہم بھی رکھتا ہے۔''

میرے والد صاحب کی نصیحتیں اور تربیت کی باتیں بہت دلگیر و دل پذیر ہوتی تھیں۔ میرے اوپر ان کی باتوں کا خاص اثر ہوا اور زندگی بھر اتباعِ سنت کا میں بھی شیدائی بنا۔ میری پوری زندگی میں ایسا کوئی وقت نہیں آیا کہ نماز کی غیر حاضری اور جماعت سے کوتاہی کی ہو۔ والد صاحب نماز میں غیر حاضر رہنے والے بچوں کی پوری طرح نگرانی کرتے تھے۔

عنفوانِ شباب میں ایک آدھ بار میں نے فجر کی نماز وقت پر نہیں ادا کی۔ غسل وغیرہ کی حاجت کے سبب کچھ تاخیر ہو جاتی تو گھر سے سمٹ کر نکلتے ہوئے دروازے پر آتا تو ان کی قہر آلود نگاہوں اور عتاب سے بھرے ہوئے کلمات کو سن کر دل لرز جاتا۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ میرے والد صاحب نے اپنے ہونہار اور جلال و جمال کے ساتھ انگریزی ماسٹروں سے تعلیم یافتہ نوجوان بچے کو، یعنی میرے بھائی عبداللہ مرحوم کو، عشا کی نماز میں غیر حاضر پایا۔ والد صاحب رحمہ اللہ نماز ختم کر کے گھر میں گئے اور عبداللہ مرحوم کو تلاش کیا، وہ اپنی دادی صاحبہ کے تخت پر سو رہے تھے۔ والد صاحب نے وہیں جا کر ان کی ٹانگ پکڑ کر گھسیٹا اور تخت سے ان کا سر زمین پر گرا، پھر دو تین دروازوں سے سر ٹکراتے ہوئے مسجد کے صحن میں لائے اور صحن میں ان کو اٹھا کر پٹک دیا۔ ہر چند کہ دادی دوڑتی ہوئی ان کے ساتھ آئی کہ میرا بچہ مر جائے گا! میرا بچہ مر جائے گا!

والد صاحب نے کہا: ایسے نوجوان بچوں کا مر جانا ٹھیک ہے، جو فریضۂ نماز

سے غافل ہو کر سوتے ہیں۔

بھری مسجد میں نمازیوں اور طلبہ نے نظارہ کیا اور عبرت سے بھرپور معاملہ دیکھ کر بصیرت کی آنکھیں روشن کیں۔

بھائی عبداللہ صاحب مرحوم صاحبِ اولاد ہیں۔ عبدالمعید خاں ان کے فرزندِ دلبند ہیں۔ عبداللہ صاحب مرحوم ساٹھ برس کی عمر میں وفات پا چکے، اللہ تعالیٰ ان کو غریقِ رحمت کرے۔

اس طرح عبرت و بصیرت کی داستانیں اور تربیتِ صالحہ کی مثالیں ان کی زندگی میں بہت سی ملیں گی، جن سے ہم سب کے اندر بھی وہی جذبات بیدار ہیں اور کتاب و سنت کی اتباع کے واقعات کے ہم سب شیدا ہیں۔

آج کے طلبا کا حال:

آج کل کے فارغ التحصیل طلبہ شیروانی میں ملبوس، فائل ہاتھ میں لیے ہوئے قریہ بہ قریہ گھومتے پھرتے ہیں۔ نماز روزے کی الفت و محبت اکثر لوگوں کے دلوں میں پیدا نہیں ہو پاتی، کیوں کہ ان کو اپنے صالح ماں باپ سے ایسی پاکیزہ اور صالح تربیت نہیں ہو پاتی۔ وہ مدرسے سے فیض یافتہ تو ہوتے ہیں اور شعوری یا لاشعوری کے دور میں کچھ پڑھ لکھ لیتے ہیں، لیکن اپنے ماں باپ کی صالح تربیت نہیں حاصل کر سکتے، کیوں کہ ان کے ماں باپ میں صالح تربیت دینے کے جذبات نہیں ہوتے۔ وہ دینی ماحول، دینی تربیت اپنے بچوں کے لیے پیدا نہیں کر سکتے، اس لیے بچے شتر بے مہار ہو جاتے ہیں اور خود ماں باپ کے ناقدرے اور ماں باپ کو دکھ پہنچانے والے نوجوان بن جاتے ہیں۔ إلا ما شاء اللہ

پس میری زندگی پر ماں باپ اور دین دار چچا صاحبان کا بہت گہرا اثر پڑتا تھا کہ میں نے وقت کی پابندی سے مدرسے میں حاضری دی اور وقت پر پہنچ کر درس گاہ میں حاضر ہو گیا۔

آج کل کے اکثر نوزائیدہ علما کبھی بارش کا بہانہ بنا کر، کبھی دعوت کا بہانہ بنا کر گھر بیٹھ جاتے ہیں، ان کو نہ طلبا کا خیال ہے، نہ درس گاہ کا خیال ہے، نہ اوقات کے ضیاع کا خیال ہے، صرف اپنی نوکری بحال رکھنے کا خیال ہے، اب یہ مصرع پڑھتا ہوں جو تجربے کے بعد نوے برس کے سن میں پہنچ کر لکھتا ہوں ع

تنِ ہمہ داغ داغ شد

پنبہ کجا کجا نہم

''تمام جسم ہی زخموں سے چور ہے، کہاں کہاں مرہم رکھوں۔''

تو اکثر یہ پڑھ کر صبر کرتا ہوں کہ زمانے کی کثیف غلاظت میں عطر کہاں کہاں چھڑکوں اور دین کی خوشبو فاسد ماحول میں کہاں کہاں پھیلاؤں؟ کسی اہلِ دل نے ایسے ہی موقع پر کہا تھا ع

لَنْ يُصْلِحَ الْعَطَّارُ مَا أَفْسَدَهُ الدَّهْرُ

اللہ تعالیٰ اپنی مشیت اور رحمتِ کاملہ سے ہم قبلہ و کعبہ بنے ہوئے علما و فضلا کی اصلاح اور تربیت فرما کر انھیں فعال اور ذمے دار انسان بنا دے کہ وہ اپنی زندگی کو سمجھ سکیں اور خود شناسی سے اپنے چھپے ہوئے نورِ ایمان کو تاباں کر سکیں۔

ڈاکٹر اقبال رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا ہے ع

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی

تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

ماں کی تربیت کا ایک بے مثال واقعہ

ماں کی تربیت سے انسان کیا سے کیا بن سکتا ہے۔ ماں کی تربیت نے اقبال رحمہ اللہ کو وہ ڈاکٹر بنا دیا جس پر آج ملتِ اسلامیہ ناز کرتی ہے۔ صدیوں میں ایسا فرد یکتائے روزگار ملت کو حاصل ہوتا ہے ع

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اقبال واقعی اس جہان کے لیے ایک مایہ ناز شخصیت تھی، جس نے ملتِ اسلامیہ کے ذہنوں کو بیدار کر دیا، جس کے پر حکمت کلام نے ہزاروں، لاکھوں برگشتہ بخت انسانوں کی قسمت بدل دی اور ایسی بانگِ درا پیدا کی کہ سارے بیگانۂ ملت ہوشیار و بیدار ہوئے، لیکن ان کی قسمت ان کی ماں کی تربیت سے ہوئی اور ماں کی تربیت و فیوض کا اقبال نے خود اعتراف کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں ع

تربیت سے تیری انجم کا ہم قسمت ہوا
گھر میرے اجداد کا سرمایہ عزت ہوا
دفترِ ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات

ایک فارسی شعر میں کہتے ہیں کہ جو کچھ مجھے حاصل ہوا، وہ میری ماں کی تربیت کا نتیجہ ہے، اسی کی نگاہِ تربیت سے مجھ کو فیض ملا۔

فارسی کا ایک شعر ملاحظہ ہو ع

مرا داد ایں خرد پرور جنونے
نگاہِ مادرِ پاک اندرونے

''مجھ کو میری ماں کی پاک نگاہ نے یہ خرد پرور جنوں عطا کیا۔''

علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ قوم کا اصل سرمایہ ہمارے یہی تربیت یافتہ نوجوان ہوتے ہیں، ان کے مقابلے میں نقد، ہیرے جواہرات اور مادی دولت کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتیں۔ وہ فرماتے ہیں ع

قوم را سرمایہ اے صاحبِ نظر
نیست از نقد و قماش وسیم و زر
مال او فرزند ہائے تندرست
تر دماغ و سخت کوش و چاک و ست

یعنی قوم کا اصل سرمایہ نقد کپڑے، سونے اور چاندی نہیں ہیں، بلکہ اصل سرمایہ وہ نوجوان لڑکے ہیں جن میں ادب وتہذیب اور روحانیت موجود ہو اور وہ محنتی اور مستعد مجاہد ہوں۔

ماں کی تربیت کا اثر

والدین کو بالخصوص ماں کو اولاد کی صحیح تربیت میں بڑا دخل ہے، اسی لیے ماں کی گود پہلا مدرسہ کہا گیا ہے۔ تعلیم وتربیت کے سلسلے میں جس اولاد کو اپنی ماں کی صحیح تربیت حاصل رہی ہے، وہ اپنے دور میں گوہرِ گراں مایہ بن کر چمکے اور ان کی نیک دعاؤں اور صحیح تربیت کی وجہ سے وہ لعل وگہر بنے، لیکن جس اولاد کو اس نعمت سے حرماں نصیبی رہی، وہ جہل وضلالت اور گمراہی کی نذر ہو گئے، وہ دنیا کی بدیوں

اور گمراہیوں میں گم ہو کر رہ گئے اور دنیا میں ان کو کوئی مقام حاصل نہ ہو سکا۔

ہمارے عہدِ سلف میں ایسے بہت سے واقعات ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ ماں کی صحیح تربیت کے بڑے اچھے نتائج ہوتے ہیں۔ بچوں کی زندگی کو سنوارنے اور صحیح راہ پر انھیں لگانے میں ماں کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔

دینی ماحول ماؤں کی گود ہی سے بنتا ہے

بچوں کو دین دار، دین پسند اور مفید مزاج بنانے میں اچھی مائیں بڑی کوشش اور جدوجہد کرتی ہیں، انھیں شروع ہی سے اچھے اخلاق کی تعلیم دیتی ہیں، ان کو خدا کی جانب متوجہ کرتی ہیں اور خدا شناس بنا دیتی ہیں۔

دہلی کے مشہور خواجہ نظام الدین اولیا رحمہ اللہ کا نام نامی آپ نے سنا ہوگا، ان کو اس مقامِ بلند تک پہنچانے میں ان کی ماں کی تربیت کا بھی دخل ہے۔ حضرت مولانا ابو الحسن علی میاں ندوی صاحب لکھتے ہیں کہ ''حضرت خواجہ نظام الدین اولیا فرماتے ہیں کہ والدہ کا معمول تھا کہ جس روز ہمارے گھر کچھ کھانے پکانے کو نہ ہوتا تو فرماتیں: آج ہم سب خدا کے مہمان ہیں، مجھے یہ بات سن کر بڑا ہی ذوق آتا۔

ایک دن کوئی خدا کا بندہ ایک تنکہ (بورہ) غلہ ہمارے گھر میں دے گیا، چند دن متواتر اس سے روٹی ملتی رہی، میں تنگ آ گیا اور اس آرزو میں رہا کہ والدہ صاحب کب فرمائیں گی کہ آج ہم سب خدا کے مہمان ہیں، آخر وہ غلہ ختم ہو گیا اور گھر میں کھانا نہیں پکا تو والدہ صاحبہ نے فرمایا: آج ہم سب خدا کے مہمان ہیں۔ یہ سن کر مجھے ایسا ذوق و سرور حاصل ہوا کہ بیان میں نہیں آ سکتا۔''

(تاریخِ دعوت وعزیمت)

مائیں اپنی اولاد کو دینی تربیت میں پالتی ہیں

خواجہ یزید بسطامی کی والدہ نے ان کو اس طرح باخدا بنا دیا کہ جب یہ مدرسے میں پڑھنے کے لیے جاتے اور ناشتہ کھانے کے وقت گھر میں آتے تو ان کی والدہ کہتیں کہ بیٹا خدا روٹی دیتا ہے خدا سے روٹی مانگو۔ جب یہ سجدے میں گر جاتے اور خدا سے دعائیں کرتے اور روٹی مانگتے اور دعا سے فارغ ہو کر اٹھتے تو ان کی والدہ فرماتیں کہ بیٹے خدا نے روٹی کا سامان کر دیا، اب آؤ روٹی کھا لو۔

ماں کی اس تعلیم و تربیت اور اس طرح کی پرورش و پرداخت سے وہ ایک عارف باللہ اور خدا ترس بزرگ بنے اور سرخیل صوفیہ میں شمار ہونے لگے۔

ماں کی تربیت کا ایک اور واقعہ

خاں عبدالغفار خاں سرحدی گاندھی، جو حکومتِ ہند کے معزز مہمان بن کر 14 اکتوبر 1969ء کو گاندھی اشتابدی کے موقع پر ہندوستان تشریف لائے تھے اور تین ماہ تک ملک کا دورہ بھی کیا، آپ کی شخصیت انتہائی عظیم ہے۔ حکومتِ ہند آپ کو دس لاکھ روپے کی تھیلی نذر کر چکی ہے۔

افسوس ہے کہ آپ اس وقت تشریف لائے جب کہ احمد آباد، گجرات وغیرہ میں فساد ہو چکا تھا۔ ہزاروں انسانی جانیں ضائع ہو چکی تھیں، کروڑوں کا نقصان ہو چکا تھا، اس مردِ مجاہد نے نئی دہلی میں حکومت کے اہل کاروں اور خواص کے پانچ لاکھ کے مجمع کو ہندو مسلم اتحاد کی دعوت دی اور باہمی منافرت ختم کرنے کی تلقین کی۔ گرتی ہوئی صحت کے باوجود تیں دن کے برت (روزے) رکھنے کا اعلان فرما کر

پانچ لاکھ کے مجمع کو سناٹے میں ڈال دیا۔ ہندوستانی عوام کو آپ کی وجہ سے بڑی تسلی وتشفی ملی۔ اس بلند ہستی و عظیم مجاہد کی تربیت میں ان کی ماں کا عظیم حصہ ہے۔

محترم قاضی عدیل عباسی ایڈووکیٹ بستی نے مجھ سے ایک بار بیان کیا کہ خان عبدالغفار خان سرحدی گاندھی المعروف بہ بادشاہ خان ایک موقع پر آغا صفدر حسین کو اپنے ساتھ لے گئے کہ تمھیں ایک شہادت حلف اٹھا کر دینی ہے، انھوں نے پوچھا کہ بھائی کیسی شہادت دینی ہے؟ کچھ تو بتلاؤ! کہنے لگے: پہلے سے کچھ عرض نہیں کرسکتا، لیکن جو کچھ امرِ واقع ہے: اسے اپنی شہادت سے بیان کر دیجیے۔

خان عبدالغفار خان ان کو اپنے ساتھ اپنی ماں کے پاس لے گئے اور کہا: آپ ان سے حلفیہ شہادت لے لیجیے کہ جب گولی چلی ہے تو اس موقع پر میں وہاں موجود ہی نہ تھا، بلکہ اسی تاریخ کو آغا صفدر حسین صاحب کے ساتھ ایک اور جگہ پر تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ ان کی والدہ نے سنا تھا کہ خان عبدالغفار خان نے تقریر کی اور قوم کو اپنی تقریروں سے گرمایا اور انھیں آگے بڑھایا، لیکن جب فلاں محاذ پر قوم پر گولی چلنے لگی تو یہ بھاگ نکلے تو یہ سن کر ان کی والدہ نے تیس دن سے برابر فاقہ کیا اور برابر روتی رہیں اور ان سے کہتی رہیں کہ افسوس ہے کہ اس بطن پر جس نے تجھ کو جنم دیا۔

اس سلسلے میں آغا صفدر حسین نے حلف اٹھا کر شہادت دی کہ اس تاریخ میں خان عبدالغفار صاحب میرے ساتھ تھے۔ تب جا کر ماں نے اپنا فاقہ ختم کیا اور رونا بند کیا۔

اب اس قسم کی حوصلہ مندی سے کام کرنے والی مائیں دنیا میں عنقا ہیں۔ ایسی بہترین تربیت کرنے والی ماؤں کی گودیں نئی نسل کو میسر نہیں ہیں۔ خان عبدالغفار خان کو اتنا غیور، جری اور حوصلہ مند قوم کا ہمدرد بنانے میں ان کی ماں کی تربیت کا خاص اور عظیم حصہ تھا۔

بانی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سر سید احمد خان کی والدہ صاحبہ کی تربیت کا ایک واقعہ

ان کی ذاتی عظمت سب کو مسلم ہے۔ اس سے تو کسی کو انکار نہیں کہ قوم میں ان کی ایک اہم اور نامور شخصیت تھی، ان کی اس سیرت میں بڑا دخل ان کی اخلاقی قوت کو تھا۔ ان کی اخلاقی زندگی کی تربیت وتشکیل کیونکر ہوئی تھی؟ اس باب کا ایک ورق خود ان کی زبان سے سننے کے قابل ہے۔ لکھتے ہیں:

جس زمانے میں میری عمر گیارہ برس کی تھی، میں نے ایک نوکر کو، جو پرانا اور بوڑھا تھا، کسی بات پر تھپڑ مارا۔ والدہ کو بھی خبر ہوگئی۔ تھوڑی دیر بعد جب میں گھر آیا تو انھوں نے نہایت ناراض ہو کر کہا: اس کو گھر سے نکال دو، یہ ہمارے گھر میں رہنے کے لائق نہیں رہا۔ چنانچہ ایک خادمہ میرا ہاتھ پکڑ کر گھر سے باہر لے گئی اور سڑک پر چھوڑ گئی، اس وقت میری خالہ کے گھر سے، جو بہت قریب تھا، دوسری خادمہ نکلی اور خالہ کے پاس لے گئی۔ انھوں نے کہا: دیکھو آپا جی تم سے بہت ناراض ہیں۔ تم کو ایک کوٹھے پر ایک مکان میں چھپا دیتی ہوں، وہاں سے باہر نہ نکلنا، ورنہ وہ ہم سے بھی ناراض ہو جائیں گی۔

میں تین دن تک وہاں چھپا رہا۔ تیسرے دن مجھے خالہ جان والدہ کے پاس لے گئیں، تاکہ قصور معاف کرائیں، انھوں نے کہا: پہلے نوکر سے معاف کرائیں، انھوں نے کہا: اگر نوکر معاف کر دے گا تو میں بھی معاف کر دوں گی۔ میں نے جب ڈیوڑھی میں جا کر نوکر کے آگے ہاتھ جوڑے، تب قصور معاف ہوا۔

یہ حکایت سو برس کے اوپر کی ہے۔ اس سو برس کے اندر کیا سے کیا ہو گیا اور ہم کہاں سے کہاں پہنچ گئے؟ پھر سرسید کی والدہ کوئی رابعہ بصریہ نہ تھیں، بلکہ عام عورتوں میں سے ایک تھیں، لیکن آج ہمارے گھرانوں میں بھلا ایسی تربیت ملے گی؟ کسی گھرانے میں نوکروں کو مارنا پیٹنا سنگین جرم قرار دیا جائے گا؟ کون مائیں تین تین دن تک لڑکے کی صورت دیکھنا گوارا نہ کریں گی؟ کوئی شریف اور معزز خاندان اس ننگ کو گوارا کرے گا کہ لڑکا ہاتھ جوڑ کر اپنی خطا معاف کرائے، تب جا کر گھر میں گھسنے پائے۔[1]

نواب صدیق الحسن خاں رحمہ اللہ والیِ بھوپال کی والدہ ماجدہ کی تربیت کا ایک واقعہ

نواب صدیق حسن خان کی والدہ ماجدہ نے ان کی تربیت اور پرورش کا بار خود سنبھالا۔ وہ مفتی عوض جیسے دین دار شخص کی بیٹی تھیں، جن کے مذہبی تقدس کا اقتدار تمام شہر بریلی پر چھایا ہوا تھا اور مولانا اولاد حسن خان صاحب کی زوجہ تھیں۔ اولاد کی تربیت میں ان کو خاص ملکہ تھا، چنانچہ اس سے متعلق

[1] منقول از ''سچ'' لکھنؤ 14 اپریل 73ء بحوالہ صدق جدید۔

نواب صاحب تحریر فرماتے ہیں:

میں سات برس کا تھا۔ مکان کے دروازے پر مسجد تھی۔ مجھے خوب یاد ہے کہ صبح کی اذان ہوتی اور میں سویا رہتا تو والدہ صاحبہ مجھے اٹھا کر وضو کراتیں اور اپنے سامنے مجھے مسجد میں بھیج دیتی تھیں، کبھی گھر میں نماز پڑھنے نہیں دیتی تھیں۔ اگر نومِ غرق کی وجہ سے میری آنکھ نہ کھلتی تو منہ پر پانی ڈال دیا کرتی تھیں، اسی سبب سے نماز کی عادت بچپن سے پڑ گئی اور شاید دس برس کی عمر میں روزہ رکھا۔

جس طرح نواب صدیق حسن خان کی والدہ ماجدہ نے اپنے صاحبزادے کی تربیت کی اور ان کو دین کے راستے پر لگایا اور نماز، روزے وغیرہ کی پابندی کرنے کا عادی بنایا اور ان میں نماز والوں کے ساتھ عشق و محبت کا جذبہ پیدا کیا، اس سے سارا ہندوستان خوب مستفید ہوا، ان کی شائع کردہ کتابیں ان کے بہترین زمانے میں ہر اہلِ علم کے کتب خانے میں بطور تحفہ پہنچتی رہیں اور آج بہت بڑا خزانہ ان کے کتب خانے کا مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں محفوظ ہے۔ میں نے علی گڑھ کے سات منزلہ کتب خانہ میں ایک گوشہ وہ بھی پایا کہ جس میں صرف نواب صدیق حسن کی شائع کردہ کتابیں وقف کر کے رکھی ہوئی ہیں جو ان کے صاحبزادے نے مسلم یونیورسٹی کو افادۂ عام کے لیے دی ہیں۔

نواب صدیق حسن خان کا دینی مزاج بنانے میں ماں کی تربیت ہی کا اثر تھا۔ بھوپال میں نواب ہو کر بھی وہ دین کا بہت احترام اور دین کی بڑی اہمیت سمجھتے تھے اور علمائے دین کی قدر و قیمت اور ان کی عظمت و محبت کو دل میں پیوست رکھتے تھے۔

نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ کی دین پسندی کا ایک واقعہ

دہلی میں ایک بار نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ پھاٹک حبش خان میں اپنے کسی محل میں وارد ہوئے۔ میاں سید نذیر حسین محدث اعظم شیخ الکل فی الکل رحمہ اللہ کو خبر ہوئی کہ نواب صاحب یہاں بھوپال سے آکر وارد ہوئے ہیں۔ حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ کو ان سے ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا تو حضرت میاں صاحب نواب صاحب سے ملنے کے لیے ان کے محل پر تشریف لے گئے۔

محل کے دروازے پر ایک دربان بیٹھا ہوا تھا جو اوپر جانے سے میاں صاحب کو روک رہا تھا، جیسا کہ نوابوں کی ڈیوڑھیوں اور محل سرایوں کا قاعدہ ہوتا ہے کہ ان کے دروازوں پر دربان بیٹھتے ہیں اور کسی کو اندر بلا اجازت جانے نہیں دیتے۔ میاں صاحب نے دربان سے کہا: بھائی میں نذیر حسین ہوں اور نواب صاحب سے ملنے کے لیے حاضر ہوا ہوں، اندر جا کر اجازت لے آؤ۔

میاں صاحب کی یہ آواز کوٹھے پر چلی گئی، اس وقت نواب صاحب نائی کو بلا کر حجامت بنوا رہے تھے۔ جب یہ آواز سنی تو نائی کو روک دیا اور جلدی جلدی سر پر پگڑی باندھ لی۔ فوراً نیچے اتر آئے اور اپنی مسندِ خاص پر عزت سے بٹھایا اور کہا: مولانا آپ نے کیوں زحمت فرمائی، میں خود ہی حاضر ہونے والا تھا۔

یہ دینی وعلمی تکریم کا جذبہ اور ولولہ ان کی ماں کا پیدا کیا ہوا تھا، جنھوں نے ان کے دماغ و مزاج کو شروع ہی سے دین پسند بنا دیا تھا۔ بھوپال میں کتنے اہلِ علم، اہلِ فضل ان کے درِ دولت سے وابستہ تھے۔ علامہ محمد بشیر سہسوانی رحمہ اللہ اور مولانا محمد علی، ابو المکارم اور مولانا سلامت اللہ صاحب جیرا جپوری اور قاضی

محمد مچھلی شہری اور شیخ حسین بن محسن انصاری یمانی اور بھی کتنے ہی عرب وعجم کے شیوخ ان کے دامن دولت اور دامنِ علم وعمل سے وابستہ تھے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی والدہ ماجدہ کی تربیت

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی ماں نے اپنے بچے کو سفر پر جاتے ہوئے کہا کہ میں ایک ضروری نصیحت کرتی ہوں کہ کبھی زبان سے سچی بات کے سوا جھوٹ مت بولنا۔ ماں نے اپنے بچے کے جامہ میں چالیس اشرفیاں زادِ راہ کے طور پر رکھ دیں۔ آگے چل کر راستے میں ڈاکوؤں نے گھیرا اور سب کا سامان لوٹ لیا۔ بچے سے پوچھا گیا: تمھارے پاس کچھ ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا: چالیس اشرفیاں موجود ہیں۔ ڈاکوؤں کے سردار نے کہا: اس کی صدری ادھیڑ لو، شاید اس کے اندر ہوں، جب صدری کھولی گئی تو چالیس اشرفیاں نکل آئیں۔ ڈاکوؤں کے سردار نے کہا: تم جھوٹ بول دیتے تو بچ جاتے؟ انھوں نے جواب دیا: میری ماں نے کہا تھا کہ میرے بچے ہمیشہ سچ بولنا، تو میں نے ماں کی اطاعت کی اور میں نے سچ بتا دیا۔ یہ سن کر ڈاکوؤں کے سردار نے کہا: ہائے افسوس ہماری قسمت پر کہ یہ بچہ اپنی ماں کی فرماں پذیری میں سچ بول رہا ہے اور ہم مولائے حقیقی کی بغاوت و سرکشی پر برابر آمادہ رہتے ہیں! ہم اپنے مولا کے سامنے کس منہ سے جائیں گے؟ اسی وقت اس کے دل میں رقت طاری ہوئی اور اس نے عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے ہاتھ پر توبہ کی۔ تمام ڈاکوؤں نے بھی توبہ نصوح کی اور سارا مال قافلے کو واپس کر دیا۔

یہ سچ بولنے کی ایک خفیہ برکت تھی جو کتبِ تاریخ میں بہت جگہ منقول ہے۔

تربیت کے ذریعے اپنے بچوں کی عادات واطوار ٹھیک کریں۔ اخلاق وکردار کو سنبھالیں۔ ہزاروں برائیاں بچوں میں اس لیے داخل ہو جاتی ہیں کہ وہ ان برائیوں اور اخلاقی کمزوریوں میں اپنے والدین کو مبتلا پاتے ہیں۔ ماں بیٹے اور ماں بیٹی سے دل کش اور پاکیزہ تربیت اور تعمیر کسی اور سے ممکن نہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی ماں کی تربیت اور دعواتِ صالحہ کے امام بخاری رحمہ اللہ پر مبارک اثرات

امام بخاری رحمہ اللہ کی والدہ بڑی عابدہ اور صاحبِ کرامات تھیں۔ خدا سے دعا کرنا، رونا، عاجزی کرنا ان کا وتیرہ خاص تھا۔

امام بخاری کی آنکھیں صغر سنی میں خراب ہو گئی تھیں۔ بصارت جاتی رہی۔ اطبا علاج سے عاجز آئے تو امام بخاری کی والدہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ وہ فرما رہے ہیں کہ تمھارے رونے اور دعا کرنے سے تمھارے بیٹے کی آنکھیں خدا نے درست کر دیں۔ وہ کہتی ہیں کہ جس شب کو میں نے خواب دیکھا، اسی صبح میرے بیٹے (محمد) کی آنکھیں درست ہو گئیں، روشنی پلٹ آئی اور وہ بینا ہو گئے۔

افسوس بینائی جانے کی کیفیت اور اس کا سبب مفصل معلوم نہ ہو سکا، لیکن پلٹنے کے بعد اس بینائی کی قوت اس درجہ پہنچی کہ چاندنی راتوں میں اپنی کتاب تاریخ کبیر کا مسودہ لکھا۔[1]

شہر بخارا کے آباد اور بارونق وشاندار ہونے کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا

[1] ''سیرۃ البخاری'' مصنفہ: مولانا عبدالسلام صاحب مبارکپوری اعظم گڑھی (ص: 42)۔

ہے کہ حافظ شیرازی نے اپنے محبوب کے وصل کے لیے اسی شہر کو منتخب کیا۔

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دلِ مارا
بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

''اگر وہ ترک شیرازی ہمارا دل قبضے میں لے لے تو ہم اس کے ہندو کو فوراً سمرقند و بخارا عطا کر دیں گے۔''

اسی سرزمین بخارا سے بوعلی سینا نکلے، جن کو فلسفۂ یونان اور طب و منطق کا معلمِ ثانی کہا جاتا ہے۔ منصبِ وزارت تک پہنچ کر 428ھ کو انھوں نے وفات پائی۔

علامہ عبیداللہ صاحب مبارکپوری مرعاۃ المفاتیح میں لکھتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی ماں کی گود میں پرورش پائی، پھر نابینا ہو گئے۔ اطبا ان کے علاج سے عاجز رہے اور ان کی والدہ برابر روتی رہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے ان کو خواب میں بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ نے تیری کثرت سے کی جانے والی دعاؤں کو قبول کیا اور تیرے بیٹے کی آنکھوں کو بینا کر دیا۔

اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے علم کی گود میں پرورش پائی اور فضل و کرم کا آپ دودھ پیتے رہے۔ ساری باتیں: امام بخاری کی والدہ کی تربیت، حفظِ حدیث کا شوق اور کثرتِ علم و فضل کا تذکرہ تمام محدثین و شارحینِ حدیث و تاریخ و سیر والوں نے اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔

چنانچہ شیخ دہلوی رحمہ اللہ نے اشعۃ اللمعات صفحہ: 9 میں، علامہ قنوجی رحمہ اللہ نے کتاب اتحاف النبلاء صفحہ: 449 میں، ملا علی قاری نے مرقاۃ صفحہ: 13 میں،

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے مقدمہ ارشاد الساری، جلد 1، صفحہ: 31 میں، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مقدمہ فتح الباری صفحہ: 563 میں اور تہذیب التہذیب جلد 9، صفحہ: 47 پر، علامہ نووی رحمہ اللہ نے تہذیب الاسما واللغات جلد 1، صفحہ: 67 میں، امام سبکی رحمہ اللہ نے طبقات الشافعیہ، جلد 2، صفحہ: 2 میں، خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ بغداد، جلد 2 صفحہ: 4 میں اور بہت سے مورخین ابن خلکان و ذہبی وغیرہم نے اپنی اپنی کتابوں میں امام بخاری رحمہ اللہ کی والدہ کی تربیت اور دعاؤں اور ان کی اصلاحِ حال اور علوم وفنون میں ترقی پانے کا حال بیان کیا ہے۔[1]

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبیداللہ صاحب رحمانی حفظہ اللہ امام بخاری کا تذکرہ ان شاندار الفاظ میں کرتے ہیں:

امام بخاری رحمہ اللہ صاحب الجامع الصحیح والتصانیف حفظ کے پہاڑ اور فقاہتِ حدیث میں بے نظیر، دنیا کے امام، ذہن کی تیزی، دقتِ نظر، کمال زہد، غایتِ تقویٰ، قوتِ اجتہاد اور استنباط مسائل کے اعتبار سے بھی امتِ محمدیہ میں بے نظیر و بے مثال تھے۔

حضرت مولانا ابو الحسن علی میاں ندوی پر ماں کی تربیت اور نیک دعاؤں کے اثرات

حضرت مولانا ابو الحسن علی میاں ندوی حفظہ اللہ پر ماں کی تربیتِ صالحہ اور دعواتِ مبارکہ کے کافی گہرے اثرات و برکات ہیں۔ یہ اپنی والدہ صاحبہ کے اکلوتے فرزند ہیں۔ ڈاکٹر عبدالعلی مرحوم دوسری ماں سے پیدا ہوئے، لیکن

[1] ''مرعاۃ المفاتیح'' مولفہ: مولانا عبیداللہ مبارک پوری، مطبوعہ جامعہ سلفیہ بنارس (صفحہ: 10)

ان کی حکیمانہ نظرِ شفقت اور نظرِ تربیت ہمیشہ مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی پر اثر انداز رہی، ان کی تربیت پر ان کے مبارک اثرات بھی پڑتے رہے، لیکن خاص طور پر ان کی والدہ صاحبہ کی مشفقانہ نظرِ تربیت اور نیک دعائیں مولانا کے ساتھ برابر متواصل طور پر قائم رہیں۔

خاندان میں اگرچہ زمین داری کا بھی ماحول رہا، لیکن اس وقت کی زمین داری سے کوئی خاص آمدنی نہیں تھی۔ زمین داری ویسے بھی بہت سے معاملات اور مقدمات کا سلسلہ دراز رکھتی۔ زمین دار کسی جور وظلم کے بغیر پنپ نہیں سکتا۔ بہت سے فتنوں اور مشغولیتوں میں یہ زمین داری متعلقہ لوگوں کو منہمک رکھتی ہے، جیسا کہ اکبر الہ آبادی نے اپنے اشعار میں تجربے کے بعد لکھا ہے ؏

سارے عملہ کے ناز بردار ہیں آپ
محتاج در وکیل و مختار ہیں آپ
آوارہ منتشر ہیں مانندِ غبار
معلوم ہوا مجھے کہ زمین دار ہیں آپ

زمین دارانہ کاروبار میں ہر ایک چیز کی فکر اور ہر سامان کے مہیا رکھنے کا تقاضا ہوتا رہتا ہے۔ کاشت کاری کا سامان یا ٹریکٹر کا سامان، اس کا تیل پٹرول، پرزہ پاٹ وغیرہ کی برابر فکر لگی رہتی ہے، جیسا کہ اکبر الہ آبادی نے اپنے تجربے کی بنا پر کہا ہے ؏

ذرہ ذرہ سے لگاوٹ کی ضرورت ہے یہاں
عافیت چاہیے جو انساں تو زمین دار نہ ہو

اللہ تعالیٰ نے مولانا کو تنگ دست رکھ کر صبر وتحمل پیدا کرنے کی عادت ڈالی۔ مولانا ''کاروانِ زندگی'' میں لکھتے ہیں کہ بسا اوقات مجھے کسی کو جواب لکھنا ہوتا ہے تو مجھے چار پیسے کارڈ کے لیے میسر نہیں ہوتے کہ میں جواب لکھ سکوں۔

آہ! وہ فقر وتنگدستی جو امام بخاری رحمہ اللہ کو تھی کہ وہ حدیث شریف نقل کرنے کے لیے کاغذ نہیں پاتے تھے کہ اس پر حدیث نقل کر لیں۔ ایک تنکے کے سہارے لکھتے تھے استاد نے بعد میں کہا: تم اچھے لڑکے لگتے ہو، لیکن حدیث کی ناقدری کرتے ہو، تم تنکے کے سہارے کھیل رہے تھے۔

فرمایا: میرے پاس کاغذ نہیں تھا، ویسے ہی تنکے سے لکھا کرتا تھا اور مجھے حافظے میں آپ کی باتیں محفوظ ہو گئی ہیں۔ استاد نے تجربہ کرنا چاہا تو امام بخاری رحمہ اللہ سے کہا: پہلی حدیث کیا تھی؟ آپ نے مع سند ومتن حدیث سنا دی، پھر اسی طرح دوسری حدیث اور تیسری حدیث اور چوتھی حدیث سناتے گئے جو بالکل صحیح تھا۔ استاد آپ کی حفظ و ذہانت پر متحیر ہو گیا، اس کی پوری تفصیل مقدمہ فتح الباری میں موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا علی میاں ندوی حفظہ اللہ کو بھی شروع شروع میں تنگدست رکھا۔ چار پیسے میں کارڈ اس زمانے میں ملتا تھا، وہ پیسے بھی آپ کو میسر نہ ہوتے تھے۔

آپ نے ''کاروانِ زندگی'' میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک کتاب منگانے کے لیے دل میں بڑا شوق پیدا ہوا۔ کتاب پارسل سے منگوا لی، لیکن اس کے حاصل کرنے کا پوسٹ مین کو دینے کے لیے پیسہ نہ تھا۔ اپنی والدہ ماجدہ کے

پاس پہنچے اور بہت ہی منت و سماجت کر کے اپنی والدہ صاحبہ سے پیسہ حاصل کیا۔ اس طرح پارسل کو چھڑا لیا اور کتاب کو پڑھ کر بہت حظ اور فیض حاصل کیا۔

میں ایک دفعہ مولانا سے ملنے کے لیے بریلی حاضر ہوا۔ آم کا زمانہ تھا۔ میں اپنے باغ سے بہترین پختہ و نیم پختہ آم لے کر گیا تھا۔ معلوم ہوا کہ مولانا لکھنؤ تشریف رکھتے ہیں تو تحفے کو مولانا کی والدہ ماجدہ کی خدمت میں بھیج دیا۔ لکھنؤ میں ندوۃ میں آ کر ملا اور میں نے آم کے تحفے کو ان کی والدہ ماجدہ کی خدمت میں پیش کر دینے کا واقعہ پیش کیا، مولانا بہت خوش ہوئے اور فرمایا: آپ والدہ ماجدہ کو تحفہ دے آئے، بہت اچھا کام کیا۔

مولانا کو اپنی والدہ سے سچی محبت تھی اللہ تعالیٰ انھیں غریقِ رحمت کرے، وہ بڑی ہی صاحبِ خبر اور عابدہ صالحہ اور زاہدہ خاتون تھیں۔

تعلیم کے ساتھ تربیت بھی ضروری ہے

تعلیم کے ساتھ تربیت کے سلسلے میں فاضل روزگار محترمی ڈاکٹر سید حامد (سابق وائس چانسلر علی گڑھ) نے ''ندائے ملت'' لکھنؤ (26 ستمبر 93ء) میں ایک بہت ہی قیمتی بیان دیا ہے، جسے ہم بطورِ افادہ حذف و اضافے کے ساتھ یہاں نقل کر رہے ہیں۔

انھوں نے لکھا ہے کہ ماں باپ اگر یہ سمجھنے لگیں کہ انھوں نے بچوں کو مدرسے داخل کر دیا اور ان کا فرض ادا ہو گیا تو یہ بڑی بھول ہو گی۔ تعلیم بنا تربیت کے وہی اثر رکھتی ہے جو مصنوعی کھاد بنا سینچائی کے۔ کسان نے بھول کر ایسا کیا تو سارا کھیت جل کر رہ جائے گا، اسی طرح تربیت پر دھیان نہ دیا جائے تو تعلیم

انسان کی شخصیت اور زندگی کی اعلیٰ قدروں اور اطوار و اخلاق کو جلا کر رکھ دیتی ہے۔ تربیت میں تلقین، ہدایت و راہنمائی ضرور شامل ہے، لیکن تربیت دینے کا سب سے موثر طریقہ یہ ہے کہ اپنے عمل کے ذریعے بچے کو دکھلایا جائے۔

باپ کے اعمال اگر برے ہوں گے تو بچوں کی نظر سے برائی چھپ نہیں سکتی، جو خامی آپ کے کردار میں ہوگی، اس کا اثر بچوں پر ضرور پڑے گا۔ اگر آپ کسی کو برا بھلا کہتے ہیں اور بچے کو ان سے دور رہنے کی ہدایت کرتے ہیں تو کچھ ہی دنوں میں بچے کے دل میں آپ کی کسی بات کی وقعت نہیں رہے گی۔ آپ کے ساتھ وہ ریاکاری اور دو رخی منسوب کرے گا۔

انسان کو چاہیے کہ اپنے بچوں کے سامنے اچھے سے اچھا بن کر رہے، ورنہ ماں باپ کی نصیحت بے کار جائے گی اور ان کی تربیت بے اثر ہو جائے گی۔

گھر میں اگر کسی دوسرے کی برائی ہو رہی ہے تو بچہ بھی ان کی برائی کرے گا اور برائی کرنے والوں کو برا سمجھے گا۔ اگر بچے نے کہیں یہ دیکھ لیا کہ ایک صاحب آپ سے ملنے آئے تو منہ پر آپ نے ان کی تعریف کی اور جب چلے گئے تو ان کی برائی کرنے لگے تو بچہ یہ سمجھے گا کہ ہمارے ماں باپ میں دورخی کیسی؟ وہ آپ سے بدگمان ہو جائے گا۔

آپ سیاسی راہنماؤں کو دیکھتے ہیں، الیکشن کے موقع پر اپنی پوزیشن مضبوط کرنے کے لیے کیا کیا وعدے کرتے اور کیا کیا کہتے ہیں، لیکن کرتے کچھ اور ہیں۔ جب ان کے قول و فعل میں مطابقت نہیں ہوتی تو لوگ ان کو کیسی حقارت سے دیکھتے ہیں اور کیسی بے یقینی سے اس کی باتیں سنتے ہیں؟

یہی حال ان تمام لوگوں کا ہے جو بظاہر لوگوں سے اچھی بات کرتے ہیں اور پھر ان کی برائی کرتے ہیں۔ اگر آپ کے ریا کار ہونے کا شبہ بچے کے ذہن میں آ جائے گا تو وہ آپ سے بدگمانی اور بداندیشی کے بھنور میں مبتلا ہو جائے گا۔

انسانی شخصیت کی جسم میں تعلیم و تربیت کی مثال تانے بانے کی ہے، دونوں میں سے صرف ایک پر بھروسا کرے تو کپڑا نہ بن پائے گا۔ دھاگے کے سوا کچھ نہ ہاتھ آئے گا۔ تربیت کا کام یہ ہے کہ اصلی اور حقیقی باتوں کو بچے کے ذہن میں پیوست کیا جائے، تاکہ وہ راہِ راست پر چلے اور سوجھ بوجھ سے کام لے، باہم انسانوں کی دوستی اور غم خواری رکھے۔ اگر تربیت نہ ہو تو علم بے باغ و بہار رہے گا۔ تربیت میں اطوار و عادات، لباس کی سجاوٹ، لب و لہجہ کا طریقہ، اچھے طریقے سے بات چیت، نشست و برخاست میں، حسنِ رفتار میں، رعنائی و بانکپن سب چیزیں آ جاتی ہیں۔ تربیت میں یہ بھی داخل ہے کہ ہمارے قول و فعل سے کسی کو نقصان اور تکلیف نہ پہنچے اور کسی کا دل نہ دکھے، جیسا کہ اقبال نے اپنے ایک شعر میں لکھا ہے ؏

میری زبان و قلم سے کسی کا دل نہ دکھے
کسی سے شکوہ نہ ہو زیرِ آسمان مجھ کو

صالح تربیت کی شدید حاجت

آج اساتذہ، طلبا کے سامنے سے گزرتے ہیں اور طلبہ اپنی اپنی بنچوں پر بیٹھے رہتے ہیں۔ ایسے ماحول کو دیکھ کر انسان کا دل روشن ہونے کے بجائے سیاہ و تاریک ہو جاتا ہے۔ ایسے طلبا میں علم و تہذیب کی روشنی منور نہیں ہوتی، بلکہ

ان کے اندر سیاسی و تاریکی چھا جاتی ہے۔ علامہ اقبال رحمہ اللہ تہذیب و تربیت کو نوجوانوں میں ایک بڑی متاع اور بہت بڑی صفت گردانتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو ایسے مخلص و پاکباز اساتذہ سے تعلیم دلائے جن کے اندر علم کے ساتھ ساتھ تربیت دینے کا جذبہ و ہنر بھی ہو۔ جو طلبا استاد کی شفقت بھری نگاہوں کے محتاج رہتے ہیں، ان کو چاہیے کہ وہ اپنے اساتذہ سے صحیح تعلق اور صحیح اخلاص پیدا کریں۔

اس سلسلے میں دو چار واقعات یاد آ گئے ہیں، انھیں ناظرینِ کرام کے لیے حوالۂ قلم کر رہا ہوں۔

ادب و تہذیب کا ایک واقعہ

علامہ محمود حسن صاحب دیوبندی علمائے دیوبند میں بہت اونچا مقام رکھتے ہیں۔ جس زمانے میں یہ دیوبند تشریف رکھتے تھے تو ان کو صبح کے وقت تازہ پانی کی ضرورت رہتی تھی۔

علامہ محمد انور صاحب کشمیری، جو ان کے لائق تلمیذ تھے، تازہ پانی روزانہ پیش کرتے۔ ایک مرتبہ مولانا چلتے ہوئے کسی گولر کے درخت سے ٹکرا گئے، خود بھی گر پڑے اور پانی بھی گر گیا۔ اس وقت سے علامہ کشمیری پانی کا لوٹا اپنی گود میں لے کر لحاف اوڑھ کر بیٹھے رہتے اور اس اہتمام کے ساتھ مولانا کے لیے پانی گرم رکھتے، پھر خود ان کے ساتھ جاتے کہ مولانا ضعف کی وجہ سے کہیں پھر نہ ٹکرا جائیں۔

یہ مولانا کا حسنِ ادب تھا، جو ان کو مربی حقیقی کی طرف سے عطا ہوا تھا اور یہ مولانا کی نظرِ شفقت کا نتیجہ تھا کہ ایسی تربیت اور ایسی الفت اپنے استاد کے

ساتھ ان کو قائم ہوئی۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان تکلفات کی کیا ضرورت تھی؟ پانی مطبخ میں چند لکڑیاں جلا کر کیوں نہیں گرم کراتے تھے؟ اتنی تکلیف کیوں اٹھائی کہ پانی کا لوٹا اپنی گود سے لے کر لحاف اوڑھ کر بیٹھے رہتے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ لوگ ایسے صاحبِ تقویٰ تھے کہ ان کا دل گوارا نہیں کرتا تھا کہ مدرسے کے مطبخ میں ان کے لیے لکڑی جلائی جائے اور اس سے ان کا پانی گرم کیا جائے۔

اسی طرح کا واقعہ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی کا ہے کہ جب کوئی خادم مطبخ سے پانی گرم کر کے لے آتا تو آپ جلائی جانے والی لکڑی کی قیمت ادا کر دیتے۔ (آپ بیتی مولانا محمد زکریا صاحب)

یہ مثال تو متقی علمائے عظام میں نایاب نہیں ہے۔ خلافتِ راشدہ میں اس طرح کے ایک دو واقعات عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے مرقوم ہیں کہ جب آپ کے لیے پانی گرم کیا جاتا اور گرم شدہ پانی آپ کے سامنے پیش ہوتا۔ آپ اسے استعمال کر لیتے تو آپ اس کا دام لگاتے کہ اس پانی کے گرم کرنے میں بیت المال کی کتنی لکڑی خرچ ہوئی ہو گی؟ جو قیمت لگا دیتے، آپ اس کا دوگنا دیتے، تب آپ کو تسلی ہوتی۔

اسی طرح جب سرکاری دعوتوں میں کسی شاہی ضیافت کے موقع پر اچھا کھانا بن جاتا اور آپ کو بھی مہمانوں کے ساتھ کھانا پڑتا تو آپ اس کھانے کی پوری قیمت جوڑ کر بیت المال میں داخل کر دیتے اور کہتے: ''مجھے کیا حق ہے کہ

میں اس کو استعمال کروں؟ مجھے اپنی ضروریات کے لیے جو سرکاری وظیفہ ملتا ہے وہ کافی ہے۔ میں نے مہمان کے احترام میں جو سرکاری کھانا کھایا ہے، اس کی قیمت ادا کرنا مجھ پر واجب ہے، تاکہ قیامت کے دن خدا کے ہاں میرا کوئی مواخذہ نہ ہو سکے۔''

اسی طرح قرآن پاک پڑھنے کے لیے جب رحل بنا کر پیش کی گئی تو اسے آپ نے پسند کیا اور کہا کہ یہ کس لکڑی سے بنائی گئی ہے؟ جب یہ بتایا گیا کہ سرکاری لکڑی سے بنائی گئی ہے تو آپ نے اس لکڑی کی قیمت اور رحل بنانے کی اُجرت بیت المال میں داخل کر دی، تب آپ کو صبر و سکون ہوا۔ (خلافتِ راشدہ)

استاد کی خدمت کا ایک نادر واقعہ

تذکرۃ الحفاظ میں علامہ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ امام زہری رحمہ اللہ اپنے استاد امام ابو عبیداللہ سے سبق پڑھنے جاتے تھے تو ان کے پاس ایک باغیچہ تھا۔ امام زہری رحمہ اللہ اور دیگر تلامذہ اپنی اپنی باری پر کنوئیں سے مشک کھینچ کھینچ کر باغ کی آبپاشی کرتے تھے۔

اس واقعے سے یہ بات ظاہر ہے کہ بڑے بڑے ائمہ سلف اپنے استاد کی خدمت و ادب اور ان کی معاونت کو اپنی شرافت و سعادت سمجھتے تھے، اسی خدمتِ استاد کی بدولت امام زہری رحمہ اللہ جیسے قابل اور فاضل ائمہ وقت پیدا ہوئے۔

طلبا کی اپنے اساتذہ کے ساتھ عقیدت و خدمت

جب میں دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں پڑھ رہا تھا، اس زمانے میں دارالحدیث

کا احاطہ چھوڑ کر میں کبھی باہر نہیں نکلتا تھا۔ صرف ایک دفعہ جب علامہ اقبال رحمۃ اللہ اندلس کے سفر میں مسجدِ اقصیٰ میں نماز پڑھ کر ہندوستان تشریف لائے تھے اور دہلی کی جامعہ ملیہ میں ان کی تقریر کا پروگرام ہوا تھا، باہر نکلا تھا۔ منشی جی سے کہہ کر عشا کے وقت جامعہ ملیہ قرول باغ کی طرف چند ساتھیوں کے ساتھ روانہ ہوا، چونکہ میرا معمول تھا کہ ماہ میں صرف ایک بار جامع مسجد چلا جایا کرتا تھا، وہاں سے کچھ نادر کتابیں دس آنے میں برائے مطالعہ دار قطنی اور کبھی مسند دارمی لے آتا تھا۔

ایک جمعہ واپسی کے وقت میں نے دیکھا کہ گھنٹہ گھر سے پرانے دہلی اسٹیشن کی طرف جو راستہ جاتا ہے، وہاں ایک بڑا اجتماع ہے۔ میں بھی اسی شوق سے چلا گیا کہ دیکھیں وہاں کیسا اجتماع ہے؟ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ مفتی کفایت اللہ صاحب کوئی تقریر کر رہے ہیں اور گورنمنٹ کے افسران اسے بند کرانے کی فکر کر رہے ہیں، لیکن تشدد نہیں برت رہے ہیں۔ دو ایک افسران نے تقریر بند کرانا چاہی، لیکن مولانا صاحب تقریر سے نہیں رکے تو ایک بڑا افسر جوتا پہنے ہوئے تخت پر چڑھ گیا اور جا کر مولانا کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

وہاں ان کے وفادار شاگرد بیٹھے ہوئے تھے، ایک شاگرد فوراً اٹھا اور اس افسر کے ہاتھ کو جھٹک دیا اور مولانا کو بچانا چاہا۔ مولانا تو شاید مار پیٹ سے محفو رہے، لیکن اس نوجوان طالب علم کو میرے سامنے ہی دسیوں سپاہیوں نے ما شروع کر دیا اور پھر ہوائی فائرنگ شروع ہو گئی، لوگ تتر بتر ہو گئے۔ میں بھی منتشر ہو کر مدرسہ رحمانیہ چلا آیا اور دل میں یہ سوز و گداز اب تک باقی ہے کہ اس طالب علم کا کیا حال ہوا؟ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے استاد کی خدمت اور اعانت و نصرت

کا دونوں جہان میں بہترین صلہ عطا فرمائے۔

اس واقعے میں عبرت کی بات یہ ہے کہ ماضی قریب میں بھی کچھ ایسے طلبہ تھے جو اپنے اساتذہ کی خدمت میں پیش پیش رہتے تھے اور اپنے اساتذہ کے آرام و راحت کے لیے اپنے آپ کو قربان کر دیتے تھے۔

استاد کی محبت وعقیدت کا ایک بے مثال واقعہ

ایک دفعہ ایک تاریخی کتاب پڑھ رہا تھا، جس میں یہ واقعہ مذکور تھا کہ کسی استاد کے پاس گاؤں میں کچھ کھیت تھا۔ رات میں پانی برسا، کچھ کھیت کا حصہ کٹا ہوا تھا، سب پانی نکل گیا۔ استاد کو بڑا غم ہوا کہ ہمارے کھیت میں پانی نہیں لگا۔ رات میں پھر پانی دوبارہ برسا۔ قریبی شاگردوں کو استاد نے خبر بھیجی۔ ایک یا دو طالب علم آ گئے۔

استاد نے ان سے کہا: دور سے مٹی لا کر کٹے ہوئے مینڈ کو باندھنا پڑے گا۔ شاگردوں نے اس پر عمل کیا، مگر ایک جگہ ایسی نکلی کہ اس کو باندھنے کے لیے کافی دور سے مٹی لانی تھی تو اس طالب علم نے سوچا کہ دھارا کی جگہ ہم خود ہی کیوں نہ لیٹ جائیں، تاکہ کھیت کا پانی بہنے نہ پائے۔ طالب علم نے ایسا ہی کیا۔ صبح استاد جب کھیت کو دیکھنے گئے تو طالب علم کو اپنے کھیت میں لیٹا ہوا پایا۔ یہ منظر دیکھ کر استاد کا دل شفقت سے بھر آیا اور پیار ومحبت سے اسے ہمراہ لے گئے۔

آج بھی اگر کوئی طالب علم اپنے استاد کی خدمت کا اس طرح بے پناہ جذبہ رکھے، ان کے ساتھ معاونت ونصرت کرے، استاد کو نقصان سے بچائے تو استاد بھی اپنے دل میں اس کے لیے نرم گوشہ ضرور رکھے گا۔ بھلا وہ اپنے اس

لائق شاگرد کو اپنی شفقت ومحبت اور بہترین تربیت سے کب محروم کر سکتا ہے؟ اپنے چشمۂ علم سے اسے ہر ممکن طور سے سیراب کرے گا۔

استاد کی محبت واخلاص کا ایک اور بے مثال واقعہ

مآثر الکلام میں مَیں نے یہ واقعہ پڑھا ہے کہ کسی استاد کی بیوی کے لیے مولی کا کھانا بہت ضروری تھا، ان کو دردِ شکم کی وجہ سے بہت تکلیف تھی۔ استاد نے ایک وفادار شاگرد کو کہا کہ بھائی میری رفیقۂ حیات دردِ شکم کی وجہ سے بہت بے چین ہے، اگر تم سے ہو سکے تو کہیں سے مولی تلاش کر کے لے آؤ، چنانچہ شاگرد قصبے میں نکلا، کئی جگہ تلاش کیا، پتا لگایا، مگر نہیں پائی، کیوں کہ اس وقت مولی کا موسم نہیں تھا۔ نامراد ہو کر ایک جگہ غمزدہ ہو کر بیٹھ گیا اور رونے لگا۔

ایک گزرنے والے نے طالب علم سے رونے کا سبب دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ میرے استاد کو مولی چاہیے، میں اس کی تلاش میں نکلا تھا اور نہیں پائی۔ بہت پریشان ہوں۔ آخر یہ بات ایک ایسے گھر تک پہنچی جس کے ایک گوشے میں کچھ مولیاں لگی ہوئی تھیں، اس نے پریشان طالب کو بلایا اور کہا: غم نہ کرو، دو تین مولیاں جو تم چاہو، لے جاؤ اور اپنے استاد کی خدمت میں پیش کرو۔ طالب علم خوش ہو گیا اور دو مولیاں اکھاڑ کر استاد کی خدمت میں پیش کر دیں۔ استاد کی مراد پوری ہوئی۔ استاد نے اپنے اس لائق ومطیع شاگرد کو بہت بہت دعائیں دیں۔

اب اس واقعہ میں دیکھنا یہ ہے کہ اب ایسے طلبہ کہاں ہیں جو اپنے استاد کی بیوی کے علاج کے لیے دیوانہ وار بازاروں اور قصبوں میں پھریں اور جب مولی نہ

ملے تو اس کے غم میں اس طرح آہ و بکا کریں، جیسے اس کی ضرورت ان کو خود ہو۔

علم کو غریبوں نے حاصل کیا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بہت غریب تھے۔ فاقہ کشی کے سبب ان پر غشی اور بے ہوشی طاری ہو جاتی تھی۔ ایک مرتبہ ایسے فاقے کی تکلیف تھی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک آیتِ کریمہ کا ترجمہ پوچھا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ساتھ لیا اور گھر لے گئے۔ ازواجِ مطہرات سے کھانا طلب کیا۔ ایک بیوی نے کہا: آپ کے ایک صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک گلاس دودھ کا تحفہ بھیجا ہے، وہ موجود ہے۔ بیوی نے دودھ کا گلاس حاضر کر دیا، آپ دودھ کا گلاس لے کر باہر آئے، چونکہ اہلِ عرب اکیلے کھانا نہیں کھاتے تھے، بلکہ کچھ اور لوگوں کو شریک کر لیا کرتے تھے۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا: تم اصحابِ صفہ کو بلا لاؤ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سوچنے لگے کہ دودھ صرف ایک ہی گلاس ہے، جو میرے لیے ہی کافی ہے، دوسرے حضرات کیسے پئیں گے؟ لیکن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے اور بلا لائے۔

اصحابِ صفہ کی تعداد اڑھائی سو تھی۔ تمام لوگ حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی برکت کی انگلی گلاس میں ڈال دی اور اصحابِ صفہ کو پلانا شروع کیا۔ سب سے آخر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی باری آئی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ گلاس کا دودھ پی کر آسودہ ہو گئے، ان کی بھوک جاتی رہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''يَا أَبَا هُرَيْرَةَ اِشْرَبْ'' اس حکم پر دوسری بار بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پیا، پھر منہ

گلاس سے ہٹا لیا اور کہا: یا رسول اللہ ﷺ! ''اے اللہ کے رسول ﷺ! میں اپنے شکم میں دودھ پینے کے لیے اب گنجایش نہیں پاتا۔''[1]

سنن بیہقی میں دوسری روایت یوں ہے کہ اصحابِ صفہ کے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سردار تھے، انھوں نے بھری مسجد میں رسول اللہ ﷺ سے کہا اور اپنی بھوک کی شکایت کی۔ ساتھ یہ بھی کہا کہ کھجور کھاتے کھاتے ہمارے پیٹ اب جلنے لگے ہیں، ہمارے لیے کسی دوسری چیز کا انتظام کر دیجیے۔ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس گزارش کو سن کر فرمایا:

''اے میرے صحابہ! اگر میں قدرت رکھتا تو تم کو روزانہ گوشت روٹی کھلاتا، مگر واللہ یہ بات بھی سراسر حقیقت ہے کہ تمھارا آج کا دن کل کے دن سے بہتر ہے۔ کل ایسا دن بھی آئے گا کہ تم پر رنگ برنگ کے پیالے اور قسم قسم کے کھانے پیش کیے جائیں گے، لیکن اس دن کے مقابل آج کا دن سادگی اور فقر و فاقہ کے باوجود کل سے بہتر ہے۔''[2] (سنن کبریٰ بیہقی)

اس واقعے سے بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کی غربت و مسکنت کا حال معلوم ہوا، ان پاک نفوس نے سخت فاقہ کشی کے عالم میں بھی علمِ دین کو حاصل کیا۔

ایک بار حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''أَنَا أَوَّلُ صَاحِبِ حَدِيْثٍ فِي الدُّنْيَا'' ''یعنی اس دنیا کے اندر میں پہلا اہلِ حدیث میں ہوں۔''

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٠٨٧)

[2] سنن البيهقي (٢/٤٤٥)

اس سے معلوم ہوا کہ فقر و فاقہ اور غربت و ناداری کے باوجود اگر غریب آدمی بھی علم میں محنت کرے تو عالم فاضل فقیہ اور محدث بن سکتا ہے۔

آج کل کے کم محنت کرنے والے طلبا سے خطاب

یہ سبق آموز باتیں اس متمدن، چمکیلی اور بھڑکیلی دنیا میں ہمارے ان طلبا کو، جو فقر و فاقہ سے کبھی نہیں گزرے ہیں اور اکثر گوشت روٹی اور عمدہ کھانا مدارس میں کھایا کرتے ہیں، تعجب خیز لگتی ہیں، جیسے مرکزی دار العلوم جامعہ سلفیہ بنارس کے طلبا یا نظم و ضبط کے لحاظ سے اس کے ہم مرتبہ مدرسہ معہد التعلیم الاسلامی نئی دہلی کے طلبا یا اس طرح کے دیگر مدارس جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں یا جامعہ دار السلام عمر آباد وغیرہ میں طلبا گوشت روٹی کھاتے رہتے ہیں، لیکن انھیں وہ علم نہیں حاصل ہو رہا جس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی غربت میں حاصل کیا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی روایت ہے کہ ان کی کثرتِ حدیث پر ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اعتراض کیا تو انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: تمھیں حدیث کیسے معلوم ہو سکتی ہے، تم تو ہمیشہ آئینے دیکھنے اور کنگھی سے بال سنوارنے میں مشغول رہتی تھیں اور میں ہمہ وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ علم سے وابستہ رہتا تھا، اس وجہ سے مجھ کو زیادہ سے زیادہ حدیثیں یاد رہیں۔[1]

ہمارے طلبا اس واقعے سے کیا عبرت حاصل کر سکتے ہیں کہ وہ شب و روز فیشن کی تیاری میں اور کپڑوں پر پریس کرنے میں کتنا وقت ضائع کرتے ہیں اور اس کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ غریب لڑکا اگر جی لگا کر پڑھے تو وہ بہت بڑا علامہ

[1] طبقات ابن سعد (۲/۳۶۳) الإصابة لابن حجر (۷/٤٤٠)

بن سکتا ہے۔

امام شافعی اور طلبِ علم

امام شافعی رحمہ اللہ بہت غریب تھے۔ اپنی غربت کے ایام میں لکھنے کے لیے کاغذ کے بھی محتاج تھے، لیکن جی لگا کر پڑھا اور امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ کی شاگردی اختیار کی تو ایسے عالی جاہ امام بن گئے کہ ان کی خود امام مالک رحمہ اللہ نے قدر کی اور وہ قیمتی ہدایا وتحائف سے نوازے گئے۔

ملکہ زبیدہ خلیفہ ہارون الرشید کی بیوی تھیں۔ یہ امام موصوف کی بڑی قدر کرتی تھیں، چنانچہ جب ہارون الرشید امام صاحب کو بغداد میں بلاتا تو ان کی بیوی زبیدہ بھی محل سے اشرفیوں کی تھیلیاں اور قیمتی کپڑوں کے کئی تھان، عطریات اور خوش بو کی بے شمار چیزیں ہدیہ دیتی تھیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ایک بار ہارون الرشید نے مجھ سے کہا: "بیّن لنا عن نفسك فبيّنت حتى الحقت آدم بالطين" "یعنی ہارون الرشید نے مجھ سے کہا کہ تم اپنا نسب نامہ بیان کرو تو میں نے اپنا نسب نامہ بیان کرنا شروع کیا، حتی کہ آدم علیہ السلام سے جا ملایا۔

آپ نے غربت میں محنت سے علم حاصل کیا تو اعلیٰ درجے کے امام ہو گئے، پھر قدرت نے ان کی کمال محنت اور تبحرِ علمی، اساتذہ کی تربیت وشفقت کی بدولت ان کو ایسا فارغ البال بنا دیا کہ ان کو صرف لکھنے پڑھنے سے کام تھا۔ انھیں ایک پیاز مرچ تلاش کرنے کی زحمت وضرورت نہ تھی، کیوں کہ ان کے گھر کا نظام، کھانے پینے کا نظم ونسق ایک وکیل کے سپرد تھا جو ان خدمات کو انجام دیتا

تھا اور باورچی خانے میں تمام ضرورت کی چیزیں مہیا رکھتا تھا۔ پیاز جیسی چیز کی بھی امام شافعی رحمہ اللہ کو کوئی زحمت نہیں اٹھانی پڑتی تھی، وہ باقاعدہ طور پر علم کے کام میں لگے رہتے۔

غریب اور کمزور عوام میں دین کے حاصل کرنے کا سچا ذوق موجود ہے۔

علمِ دین کی حفاظت اور خدمت و اشاعت کے لیے یہی ہمارے غربا اور عوام رہ گئے ہیں۔ امیروں اور دولت مندوں میں اسلامی ذوق ختم کیا جا رہا ہے، فارسی کے دو شعروں میں علامہ اقبال رحمہ اللہ نے اس کی ترجمانی کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

سالہا اندر جہاں گردیدہ ام
نم بہ چشم منعماں کم دیدہ ام
دیدہ ام صدق و صفا اندر عوام
خیر و خوبی بر خواص آمد حرام

''میں سالہا سال دنیا میں گھوما، میں نے خوش حال لوگوں کی آنکھوں میں (خدا خوفی کے) آنسو کم ہی دیکھے، میں نے عوام میں صدق و صفا دیکھا، خیر و خوبی کو خواص پر حرام دیکھا۔''

علامہ اقبال رحمہ اللہ نے اس غم ناک حقیقت کی اس طرح بھی ترجمانی کی ہے:

امراء نشۂ دولت میں ہیں غافل ہم سے
زندہ ہے ملتِ بیضا غربا کے دم سے

مفکرِ ملت علامہ اقبال رحمہ اللہ نے امرا کی دنیاوی علوم و فنون سے محبت اور علومِ اسلامیہ سے بیگانگی کے سلسلے میں ''شکوہ'' میں یہ شکایت لکھی ہے:

علم مغرب میں پڑھا زائر لندن بھی ہوئے
مثلِ انجم افقِ قوم پہ روشن بھی ہوئے
بے عمل تھے ہی جواں دین سے بدظن بھی ہوئے
صفت ظاہر گم کردہ نشیمن بھی ہوئے

الغرض یہی بے چارے غریب طالبِ علم دینی علوم وفنون سے محبت اور ان کے حاصل کرنے کا سچا ذوق اور جذبہ رکھتے ہیں۔

علامہ سید نذیر حسین محدث دہلوی کی غربت وافلاس کا واقعہ

غریب طالب علم پڑھ لکھ کر کوئی شیخ الکل فی الکل سید نذیر حسین محدث بنا، جو بہار کے غریب خاندان کے ایک طالب علم تھے۔

محترم خالد حسین صدیقی نے میاں سید نذیر حسین دہلوی کی حیات کے بارے میں لکھا ہے کہ قلتِ زادِ راہ اور بے سروسامانی کے سبب کافی دنوں تک سفر جاری رکھنے میں بہت زیادہ وقفہ ہو جاتا تھا۔ یہ ان کے غربت وافلاس کا نقشہ تھا۔[1]

لیکن یہ غریب و نادار طالب علم اسلامی علوم وفنون اور درسِ حدیث میں محنت و مشقت اٹھانے کے سبب یگانۂ روزگار اور علومِ حدیث کا شارح اور ترجمان بن گیا۔ دہلی اور اس کے اطراف میں آپ کی علمی عظمت وجلالت کا بڑا شہرہ ہوا اور یمن ونجد وحجاز کے طلبہ کا حلقہ آپ کے اردگرد جمع ہونے لگا۔ آپ نے شہرہ آفاق کتاب ''معیارِ حق'' لکھ کر سب کے دلوں پر اپنے علم وتحقیق کا سکہ جما دیا۔ علمائے زمانہ نے شیخ الکل فی الکل کا مایہ ناز خطاب دیا اور آج تک

---

① جریدہ ''ترجمان'' (1411ھ مطابق 22 مئی 1990ء)۔

ان و پاکستان و دیارِ عرب تک ان کا علمی مقام اور درسِ حدیث کا شہرہ زندہ اور پایندہ ہے ؏

سالہا زمزمہ پرداز جہاں خواہد بود
زیں نواہا کہ دریں گنبدِ گردوں زدہ ست

''اس برج فلک سے گائے ہوئے گیت سالہا سال تک جہاں میں نغمہ سرا رہیں گے۔''

مولانا ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ امرتسری کی غربت اور تنگدستی کا واقعہ

مولانا بہت غریب تھے۔ چودہ برس کی عمر میں کسی عالمِ دین کی نصیحت کے سبب پڑھنے کا شوق پیدا ہوا۔ آپ نے مکمل علم حاصل کر کے فاتحِ قادیان، شیرِ پنجاب اور مناظرِ اسلام کا لقب حاصل کیا۔ انہی ایام کا واقعہ ہے کہ جب آپ دہلی پڑھنے کے لیے تشریف لے گئے تو ٹرین پر آپ کی جوتی کسی نے غائب کر دی۔ صرف ایک جوتی پہن کر پلیٹ فارم سے نکل کر باہر آئے۔ باہر سڑک پر آ کر ایک جوتی پھینک دینے کا ارادہ کیا، وہاں ایک بقال تھا۔ مولانا کے ارادے کو سمجھ گیا اور کہا: میاں کیوں پھینکتے ہو؟ دوسری جوتی 6/4 آنے میں خرید لینا۔ مولانا کہتے ہیں کہ چھ ماہ گزر گئے، لیکن چھ پیسے مجھ سے جمع نہیں ہو سکے۔

مولانا کی غربت کا یہ حال تھا، مگر جب اپنی کدوکاوش سے پڑھ لکھ کر عالم، فاضل اور مناظرِ اسلام بن گئے تو خدا نے آپ کو دین و دنیا کی نعمت عطا کر دی۔ اپنے علمی تبحر اور کمال کی بنا پر آگے چل کر آپ کا نام دنیا میں بڑا روشن ہوا۔ اپنی ذہانت و فطانت، علمی جلالت اور حاضر جوابی میں بے مثل بے مثال

ہونے کے سبب مناظرِ اسلام قرار پائے۔

قادیانیت اور آریت کی جڑیں بیخ و بن سے اکھاڑ دیں۔ عالمِ اسلام پر آپ کا سکہ بیٹھ گیا۔ آپ فاتح قادیان ٹھہرے اور کتاب و سنت میں گہری معلومات اور مہمات اور مسائلِ دینیہ کے مصالح و رموز سے کافی واقفیت رکھنے کے سبب شیخ الاسلام کے لقب سے ملقب کیے گئے۔ آپ اپنی گراں مایہ تقاریر، عمدہ، دل پذیر، پُراز معلومات اور پر جوش خطابات کی بنا پر نیز حق گوئی و بے باکی کے سبب شیرِ پنجاب بھی کہلائے۔ خدا نے آپ کو بہت اعزاز بخشا اور آپ بڑی شہرت کے مالک ہوئے، محض اپنے علم بے پایاں کی بدولت ع

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

مگر آج کے طلبہ ہیں، جنھیں ہر طرح کے علمی وسائل حاصل رہتے ہیں۔ کھانا بھی عمدہ کھاتے اور بہترین لباس زیب تن کرتے ہیں۔ فراوانی کے ساتھ گھر سے اخراجات کے لیے انھیں پیسے ملتے ہیں، ٹھاٹ باٹ سے رہتے ہیں اور بہترین عمارتوں میں رہ کر پڑھتے ہیں، مگر ان کے اندر علامہ امرتسری رحمہ اللہ جیسی صلاحیت پیدا نہیں ہو پاتی۔ غربت کے وہ شکار نہیں رہتے، ایسا نہیں ہوتا کہ وہ کبھی چار چھے آنے پیسے تو کجا چار چھے روپے کے محتاج ہوں اور اپنی جیبوں میں نہ رکھتے ہوں، بلکہ سو دو سو روپے حسبِ استطاعت رکھتے ہیں، تاہم پڑھنے میں پوری دل جمی نہیں رکھتے اور اپنے اندر کوئی جوہر قابل پیدا نہیں کر پاتے۔ إلا ما شاء اللہ

اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ اکثر طلبہ پڑھنے لکھنے میں محنت کرنے سے جی چُراتے ہیں اور اپنے قیمتی اوقات کی قدر نہیں کرتے، گھومنے ٹہلنے اور لہو ولعب

میں ضائع کر دیتے ہیں۔

مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی ذہانت وفقاہت کا ایک مشاہدہ

میں جس زمانے میں دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں پڑھتا تھا، وہ میرا آخری سال تھا۔ اس زمانے میں اخبار و رسائل جو مدرسے میں آتے تھے، اس میں ''تنظیم اہلِ حدیث'' روپڑ بھی آ رہا تھا۔ مولانا عبداللہ صاحب روپڑی رحمہ اللہ زوجین کے تعلق کی جو تشریح کر رہے تھے اور جس انداز و زبان میں کر رہے تھے، اس کو پڑھ کر میرے دل سے یہ آواز نکلی کہ مولانا کو کیا ہوا کہ تشریحات کو کوک شاستر کے انداز میں پیش کرتے ہیں۔ ایسی تعبیر وتشریح ان کی شان کے بالکل خلاف ہے، چنانچہ اسی دوران میں جمعیت تبلیغ اہلِ حدیث کلکتہ کا جلسہ ہوا، اس میں دارالحدیث رحمانیہ دہلی کی طرف سے میں منتخب کیا گیا۔ اس میں میرے ساتھی مولانا عبدالغفار حسن صاحب عمر پوری بھی تھے، جو میرے ایک زندہ دل اور دانش مند دوست تھے۔

جمعیت تبلیغِ اہلِ حدیث کلکتہ کا ایک بڑا اشتہار شائع ہوا تھا، جس میں امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد، شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمہ اللہ، حضرت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا ابو القاسم سیف بنارسی اور عبداللہ الکافی رحمہم اللہ وغیرہ اجلہ علما شریک تھے۔ مولانا امرتسری رحمہ اللہ سے ملاقات کا شوق مجھ پر غالب تھا۔

کلکتہ کے جس عظیم شاندار محل میں ہم لوگ ٹھہرائے گئے، اسی محل میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے قیام کا انتظام کیا گیا تھا۔ سیڑھی پر چڑھتے ہوئے مولانا امرتسری رحمہ اللہ

سے ملاقات ہوگئی۔ آپ نے فوراً ہی سوال کیا کہ تنظیم اہلِ حدیث کا کوک شاستر پڑھ رہے ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں! پڑھ رہا ہوں۔ مولانا روپڑی صاحب نے زوجین کے تعلقات کی جو تعبیر وتشریح کی، وہ بالکل کوک شاسترانہ انداز کی تھی۔

اس میں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ جو خیال ان کی تعبیر وتشریح کو پڑھ کر مجھے دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں ہوا اور میری عقل و دانش میں وہ تشریحات کوک شاسترانہ انداز کی تھی، ہرگز کسی تفسیر میں آنے کے لائق نہیں تھی، مولانا امرتسری مرحوم کو بھی بالکل اسی طرح وہ تشریحات کھٹکیں اور آپ نے برمحل مجھ سے اس کی بابت میرے دل کی بات پوچھ لی۔

مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے فضائل ومحاسن کا ایک چشم دید واقعہ

میں کلکتہ کے جلسہ میں 22 برس کی عمر میں دارالحدیث رحمانیہ سے فارغ ہو کر پہلی بار جمعیت تبلیغ اہلِ حدیث کلکتہ میں گیا تھا۔ شیخ عطاء الرحمان صاحب مرحوم مدرسے کے بہترین ناظم اور طلبا کے شفیق و کریم مربی تھے۔ آپ کا وہ گرامی نامہ ابھی تک میرے پاس محفوظ ہے اور اس کا مضمون میرے ذہن میں نقش ہے۔

میاں صاحب مرحوم نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو جمعیت اہلِ حدیث کلکتہ میں آرام سے پہنچا دے، میرے بھتیجے عبدالستار صاحب تم لوگوں کو اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں۔ٹیفن بکس میں ہر طرح کے کھانے کے سامان ہیں، جس سے تمھیں گرم گرم کھانا وقت پر ملتا رہے گا۔ میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ تم لوگوں کی، یعنی عبدالرؤف رحمانی، عبدالغفار حسن عمر پوری اور عبدالطیف پنجابی،

تقریریں حاضرین کو پسند آ جائیں، جس سے رحمانیہ کے علمی وقار و عزت میں اضافہ و شہرت ہو۔

جب میری تقریر ہوئی تو مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ نے میرا تعارف کروایا اور دارالحدیث رحمانیہ کا ذکرِ خیر کیا۔ جب جلسے سے فارغ ہو کر آخری دن میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے کمرے کے سامنے بڑے برآمدے میں بیٹھا ہوا تھا تو کلکتہ کے امرا و تجار صاحبان نے مولانا کی خدمت میں ایسے ایسے ہدایا اور تحائف لا لا کر پیش کیے کہ میں حیرت زدہ رہ گیا۔ مولانا کے الفاظ اب تک میرے کانوں میں گونج رہے ہیں کہ بھائی اتنے تحائف کیوں لاتے ہو؟ میں انھیں اپنے ساتھ کیسے لے جاؤں گا؟ اس پر ان حضرات نے جو جواب دیا ان کا وہ جواب بھی مجھے یاد ہے کہ ''حضور! آپ بے فکر رہیں، مال گاڑی کے ایک ڈبے میں سیدھے امرتسر جانے کے لیے بک کرا دیا جائے گا جو امرتسر ہی جا کر رکے گی۔''

مولانا نے فرمایا: اب تحائف کا لانا بند کرو، اب کوئی تحفہ نہ لائے، پھر مولانا کے فضل و کرم کا تماشا میں نے دیکھا کہ انھوں نے اپنے رفقا اور معتمدین سے فرمایا: وہ قالین لاؤ جو مجھے ابھی دی گئی ہے، اس پر مولانا ابو القاسم سیف بنارسی صاحب کا نام لکھ دو اور وہ مصلیٰ لاؤ، مولانا منیر صاحب کو دے دو۔ وغیر ذلک

حضرت العلام مولانا نے تمام مذاہب و ملل پر سیکڑوں سے زیادہ کتابیں لکھیں اور سیکڑوں سے زیادہ کامیاب مناظرے کیے۔ ہزار بار علمی جلسوں اور بڑے بڑے مرکزی اداروں میں بے تکلف شریک ہوئے اور ہر جگہ شیرِ پنجاب

بن کر بیٹھے اور علمی جلسوں کے صدر الصدور رہے۔

یہ ایک غریب طالب علم کا علمی اعجاز ہے، جسے چھ ماہ تک چھے آنے میسر نہیں ہو سکے تھے۔ اللہ تعالیٰ مولانا کی پرنور قبر کو انوارِ رحمت سے اور زیادہ جگمگائے اور ان کو ہر طرح سے قبر کی منزل میں آرام پہنچائے۔

مصر سے کئی کتابیں چھپی ہیں، جن سے ایسے تمام غریبوں، فقیروں اور مسکینوں کا حال بیان کیا گیا ہے جو آگے چل کر آسمانِ علم کے آفتاب و ماہتاب بنے اور اپنی محنت و لگن کی بدولت دنیا کے بڑے بڑے نامور علما میں ان کا شمار ہوا، علمی جلالت و فقاہت میں اور بحث و تحقیق میں ان کا بلند مقام رہا۔

بہرحال غربت و مسکینی علمی مدارج و مراتب کے حاصل کرنے میں کبھی حارج و مانع نہیں ہوئی ہے۔ ہمارے جو طلبا یا اہلِ علم فقر و فاقہ میں مبتلا ہیں، انھیں کبھی یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ ہم علم کے اعلیٰ مقام تک اپنی اس غریبی میں کیسے پہنچ سکتے ہیں؟ ایک حالیہ مثال سے آپ اپنے دل و دماغ کو روشن کیجیے۔

مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی کی غربت اور ان کی ذہانت و فطانت

یہی مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی ہیں، جنھوں نے نئی دہلی میں مدرسے کی پانچ منزلہ پرشکوہ عمارت تعمیر کرائی ہے۔ معہد التعلیم الاسلامی قائم کیا اور مرکز ابو الکلام آزاد کے تحت نرسری سکول بھی کھولا، حفظِ قرآن کا شعبہ قائم کیا اور جتنے اہلِ حدیث مدارس اور مرکزی دالعلوم وغیرہ ہیں، ان سب کے بالمقابل بہت اعلیٰ و ارفع عظیم المرتبت، وسیع ترین لائبریری قائم کی، اس طرح جماعت اہلِ حدیث کی پوری لاج رکھ لی اور امورِ خیریہ میں عوامی شفاخانہ کا بھی انتظام

کیا۔ نیز تصنیف و تالیف کا ایک بڑا مرکز قائم کیا، جہاں سے رسالہ "التوعیة" شائع ہوتا ہے، جن کے گہر بار مضامین میں ایک گراں قدر مضمون ابن احمد نقوی کا ہوتا ہے، ان کے پراز معلومات مقالے کو ناظرین کرام بڑی دلچسپی سے پڑھتے اور مستفید ہوتے ہیں۔

مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی سے موصوف مکرم نے اپنا رشتۂ وفا باندھ رکھا ہے، انھوں نے اس کے اس موقر جریدہ "التوعیہ" میں اپنے سحر انگیز اثر آفریں معلومات سے بھرپور مضامین شائع کرائے اور یہ علمی و ادبی ماہنامہ مولانا عبدالحمید رحمانی کے اشراف ہی میں نکلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی کو یہ طاقت دی کہ ایک چار منزلہ عالی شان خوب صورت مسجد ایک کروڑ پندرہ لاکھ میں تعمیر کرائی، جو تعمیر کی آخری منزل میں ہے۔

حال ہی میں ریاض کے مشائخ کبار کی بدولت "تدریب المعلمین" کا اپنے ہاں اہتمام کیا تھا جو بہت ہی کامیاب رہا۔ کافی علما شریک رہے اور ان علمائے مدعوین کے قیام و طعام وغیرہ کا آپ کی جانب سے بڑا اچھا انتظام و انصرام رہا۔ تمام علمی برادری مولانا کے اس عظیم کارنامے پر فخر و ناز کرتی ہے اور مولانا محترم کو دادِ تحسین دیتی ہے۔

مولانا کے مکہ مکرمہ اور ریاض وغیرہ کے بڑے بڑے مشائخ سے اچھے اور گہرے تعلقات ہیں۔ آپ چونکہ عربی زبان بولنے پر بھی اچھی قدرت رکھتے ہیں اور اچھا خطاب بھی کر لیتے ہیں، علمی مباحث پر دقیق نظر رکھتے ہیں، اس لیے سعودیہ میں خوب متعارف ہیں۔ مملکتِ سعودیہ کے مشائخ کبار و محسنینِ عظام کی

بدولت روحانی فوائد کے ساتھ ساتھ مادی فوائد سے بھی خوب بہرہ ور ہیں۔ بڑے بڑے کام آپ نے سعودی شہزادوں کے تعاون سے نیز امرائے کبار اور تجارِ عظام کی مساعدت سے حیرت انگیز پیمانے پر انجام دیے ہیں۔ لوگ حیرت زدہ ہیں کہ بارہ برس کی قلیل مدت میں آپ نے کتنے زیادہ عظیم در عظیم کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ متنبّی کا یہ شعر آپ پر صادق آتا ہے ع

وعلیٰ تفنن واصفیه بوصفه
یفنی الزمان وفیه مالم یوصف[1]

''اس کے کارنامے اتنے بلند اور زیادہ ہیں کہ گننے والا، شمار کرنے والا کوئی جائزہ نہیں پیش کر سکتا۔''

بزبانِ فارسی کسی نے کہا ہے ع

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست
بسیار خوبی ہا ست بتاں را کہ نام نیست

''ناز و ادا کے ساتھ اٹھلا کر چلنا ہی خوبی نہیں ہے، بے نام مجسموں میں بھی بہت سی خوبیاں ہوتی ہیں۔''

اسی طرح مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی بھی اپنی کدوکاش، فکری ذہانت اور علمی وقار واخلاص اور دیانت وامانت اور ملی کارکردگی کی بدولت جس مرتبۂ علیا پر فائز ہو چکے ہیں اور مولانا کے پیشِ نظر تعمیر وترقی کے جو دسیوں منصوبے ہیں، ہم ان کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ ایک شاعر کا شعر ہے ع

---

[1] یہ ابن الفارض (632ھ) کا شعر ہے۔

ایں کہ می گویند آں بہتر ز حسن

یارِ ما ایں دارد و آں نیز ہم

یعنی کسی محبوب کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کے اندر حسن و جمال سے بہتر اس کے ناز و ادا ہیں اس کے ناز و انداز میں وہ دلبری اور دلنوازی ہوتی ہے جو اس کے حسن و جمال سے بھی بڑھ جاتی ہے۔

شاعر کہتا ہے کہ میرا محبوب حسن و جمال بھی رکھتا ہے اور دلفریب ناز و ادا کا سحر و جادو بھی۔ اسی طرح ہمارے فاضل گرامی مولانا رحمانی صاحب کا بھی یہی حال ہے کہ وہ اپنے حسن علم وفضل کے ساتھ ساتھ بہترین، پرکشش اور حیرت انگیز زاویے و اندازے اور جذبات بھی رکھتے ہیں، جنھیں وہ آیندہ عملی جامہ پہنائیں گے۔ إن شاء اللّٰہ

لیکن آپ ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھنے والے ہیں، آپ کی طالب علمی کا زمانہ عسرت اور غربت کا زمانہ تھا۔ مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار اور فیضِ عام مئو میں جب آپ زیرِ تعلیم تھے تو اپنے قریبی دوستوں سے مل کر رہتے تھے اور انھی کے ناشتے میں شریک رہا کرتے تھے۔ کوئی خوش حالی و فراخی نہیں تھی۔ اسی طرح جب جامعہ رحمانیہ بنارس میں پڑھنے آئے تو وہاں بھی یہی حال تھا۔ گھر کے اخراجات کے لیے چند روپے کسی طرح انتظام کر کے ان کے بھائی دیتے، مولانا اسی پر تنگی و عسرت کے ساتھ قانع رہتے، لیکن حصولِ علم میں کوئی فرق آنے نہیں دیتے تھے۔ بڑی پریشانی اور تنگی و غربت سے آپ نے اپنی طالب علمی کی زندگی کو کاٹا ہے، مگر اپنی سعی پیہم کی بدولت فقر و فاقہ کے

باوجود آپ کا علمی وزن پیدا ہوا اور اپنے علمی تبحر و کمالات اور اردو میں دل نواز تحریر وتقریر میں مہارت و جامعیت کے سبب آپ کا چوٹی کے علما میں شمار ہوا۔

آپ نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں بھی تعلیم حاصل کی، وہاں ادیبِ شہیر مولانا ہلالی صاحب سے بہت دن رہ کر فیض حاصل کیا، ان کی علمی صحبتوں اور مجلسوں سے مستفیض ہوئے۔ اسی طرح آپ کی زبان پر اپنے ایک مشفق استاد حضرت العلام مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی مرحوم (سابق استاد جامعہ رحمانیہ بنارس) کے مشفقانہ احسانات کا ذکرِ خیر بار بار آتا ہے، جن کی توجہ خاص نے انھیں کچھ سے کچھ بنا دیا اور ان کی علمی صلاحیت میں جلا پیدا ہوئی، ان کی خود داری اور سلفیت کی غیرت میں چار چاند لگائے۔

یہ تمام گرانقدر دینی خدمات اور علمی مجاہدات اس فقیر بے نوا کو قلیل مدت میں حاصل ہوئے۔ ان کی علمی عظمت اور صحیح تعلیم و تربیت کا اب حال یہ ہے کہ جس موضوع پر بھی چاہیں سیر حاصل بحث کر سکتے ہیں اور جس موضوع پر بھی تقریر کرنا چاہیں، عالمانہ و فاضلانہ خطاب کریں۔ علمی مواد اور تازہ معلومات کے ساتھ ان کے سامنے متعدد نظائر وامثلہ موجود ہوتے ہیں، گویا وہ صف باندھ کر کھڑے رہتے ہیں کہ آپ جس کو چاہیں استعمال کر لیں اور جس کو چاہیں چھوڑ دیں۔

آپ کی اردو تقریر کی لذت اہلِ علم حضرات کو ہمیشہ یاد رہے گی۔ مولانا کی ایسی مدلل اور پرمغز اور سحر آفریں تقریر ہوتی ہے، جو دلوں میں گھر کر جاتی ہے اور عقل و ذہن کو روشنی ملتی ہے۔ آپ اپنی جماعت کی قابلِ قدر ہستی ہیں،

آپ کی بے تکلف فصاحت و بلاغت اور انشا پردازی اور قادر الکلامی کی مثال موجودہ دور کے علما میں نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے اور مزید ترقیوں پر گامزن کرے اور آپ کے ذریعے ہندوستان کے مختلف صوبوں، شہروں اور ضلعوں میں، حتی کہ بمبئی، علی گڑھ بستی وغیرہ میں آپ کے منصوبوں کے مطابق دینی خدمات وتعمیرات کو انجام دلا دے۔

مولانا موصوف کی یہ تمام داستان علما وطلبا کے لیے داستانِ عبرت و بصیرت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ شانِ کریم ہے کہ جس طرح چاہے نواز دے اور جسے چاہے کامیاب بنا دے۔[1]

فاضل گرامی مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی (أدام اللہ فیوضه) کی خدمت میں یہ شعر عرض کرتا ہوں ع

تا قیامت پھولتا پھلتا رہے تیرا چمن
حشر کے دن تک تیرا گردش میں پیمانہ رہے

ہم اپنی طرف سے بھی اور مولانا کی طرف سے بھی یہ شعر خدا کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں ع

جو کچھ ہوا ہوا کرم سے تیرے
جو کچھ ہو گا ہو گا تیرے کرم سے

اساتذہ کرام کی خدمات کے چند واقعات

امام نووی رحمہ اللہ نے ''تهذيب الأسماء'' میں یہ نقل کیا ہے کہ مجھے

[1] مولانا عبدالحمید رحمانی 20 اگست 2013ء کو نئی دہلی میں وفات پا گئے۔

میرے والد ماجد نے ایک خاص نصیحت کی کہ اپنے اساتذہ کی ہمیشہ خدمت کرتے رہو، یہی خدمت تمھارے لیے ترقی کا ضامن بنے گی، چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ ہمیشہ اپنے استاد کی خدمت میں رہتے۔ استاد کے سونے اور آرام کرنے کے لیے بستر بچھاتے اور صبح بستر اٹھا کر کمرے میں لے جاتے، پھر چارپائی لے جا کر رکھتے، اس طرح کی محنت اور اساتذہ کی خدمت کرنے والے طلبہ کا شمار آگے چل کر ائمہ دین میں ہوا۔[1]

میری طالب علمی اور اساتذہ کی خدمت گزاری

خدا کا شکر ہے کہ میں نے بھی دورِ طالب علمی میں اپنے اساتذہ کی خدمت کی ہے۔ میرے پہلے استاد جہاں میں فارسی، عربی کی ابتدائی کتابیں، میزان منشعب اور ابواب الصرف پڑھ رہا تھا، میرے استاد مولانا خلیل احمد صاحب مارنے پیٹنے اور چھڑی مارنے میں کچھ بھی تامل نہیں کرتے تھے، جو اس دور کے طلبہ کے لیے بہت ہمت شکن ہے، لیکن میں ان کی خدمت میں روزانہ دوپہر کے وقت چکنی مٹی کوٹ کر پانی میں گوندھ کر ان کے دونوں پاؤں پر اس کی لیپ چڑھاتا تھا اور پاؤں دباتا تھا۔ میرا یہ بھی معمول تھا کہ مولانا خلیل احمد کی بچی آمنہ (سلمہا) کو عصر کے بعد روزانہ اپنی گردن پر بٹھاتا اور بڑھنی بازار کے آخری حصے پر ننکو حلوائی کی دکان پر اتارتا، وہاں مولانا کچھ دیر بیٹھتے، نعت وغیرہ پڑھتے، پھر جب واپس ہوتے تو میں آمنہ (سلمہا) کو اسی طرح اپنی گردن پر اٹھا کر لاتا۔ یہ معاملہ اس وقت کا ہے جب کہ میرے والد صاحب سات آٹھ

[1] تهذيب الأسماء للنووي رحمه الله ج ١.

موضع زمین دار تھے۔ مولانا اس کا کچھ بھی لحاظ نہ کرتے کہ اتنے بڑے زمین دار کے یہ صاحبزادے ہیں، ان سے یہ بڑی خدمت کیوں لی جائے؟ نہ مجھ کو کوئی گرانی محسوس ہوئی، نہ میرے والد صاحب نے اس کا کوئی خیال کیا، حالانکہ اس وقت کی زمین داری بڑی شان کی ہوا کرتی تھی۔ ایک چھوٹی بادشاہت اور نوابوں کی سی کیفیت ہوا کرتی تھی۔ ایسے وقت میں میں نے یہ خدمت انجام دی اور مجھے اس پر فخر ہے۔ سچ کہا کسی فارسی شاعر نے ع

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

ہر کہ خود را دید او محروم شد

''ہر خدمت گزار مخدوم بنا، ہر خود پسند شخص محروم رہا۔''

اس کے بعد میں مصباح الہدیٰ مدن پورہ بنارس پہنچا، وہاں مولانا محمد منیر خاں بنارسی میرے استاد تھے۔ مولانا حبیب اللہ صاحب چھپراوی اور مولانا مصباح صاحب میرے فارسی وغیرہ کے استاد تھے۔ یہ تینوں حضرات بہت شفیق و مہربان تھے۔ بڑی حکمت و محنت سے کام کرتے تھے۔ مشکل سے کبھی مولانا حبیب اللہ صاحب نے گوشمالی کر دی ہو، باقی اصحاب نے مارنے پیٹنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ دہلی کے اساتذہ کی تربیت

بنارس کے بعد مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ دہلی میں داخل ہوا، وہاں حسبِ منشا میرا داخلہ ہو گیا۔ میں نے ممتحن مولانا عبدالرحمان صاحب نحوی کے پاس شرح وقایہ، متنبّی، نور الانوار اور ترمذی شریف وغیرہ کتابوں کا امتحان دیا۔ امتحان لینے

کے بعد مولانا نے فرمایا: تم کس جماعت میں داخلہ چاہتے ہو؟ میں نے عرض کی: جماعتِ سابعہ میں، تو مولانا نے مجھ سے فرمایا: تم کو کتابیں اچھی طرح یاد ہیں اور تمھارے جوابات صد فی صد صحیح ہیں، لہٰذا تم چاہے سابعہ میں داخلہ لے لو یا ثامنہ میں لے لو، ہماری طرف سے اجازت ہے۔

استاذ معقول و منقول، علامہ نذیر احمد رحمانی کی ایک بے مثال تربیت

میں دار الحدیث رحمانیہ دہلی میں پڑھ رہا تھا، عصر کا وقت تھا، علامہ نذیر احمد رحمانی عصر کی نماز کے لیے وضو کر رہے تھے اور ہم لوگ دو چار طلبہ وضو کر کے اپنے کمروں سے نکل آئے۔ اسی دن حضرت شیخ الاسلام فاتح قادیان، شیرِ پنجاب علامہ ابو الوفاء ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمہ اللہ کی دہلی میں تشریف لانے کی خبر تھی اور یہ اطلاع تھی کہ فلاں جگہ خطاب ہوگا، اس زمانے میں کہ جب میں آٹھویں جماعت میں پڑھ رہا تھا، مجھے شعور و ادراک چاہیے تھا کہ اتنے بڑے امامِ وقت اور اتنے بڑے فاضل روزگار کے لیے بلند سے بلند لفظوں کا استعمال کروں، لیکن میں نے اس زمانے میں شعور و ادراک کھو رکھا تھا، جو شعور آج کی عمر میں نصیب ہوا، اس امامِ زمانہ پر آج ہم لوگ فخر کرتے ہیں اور وہ پورے ہندوستان میں جماعت اہلِ حدیث کے دلوں کے امیر تھے، ہر شخص ان کے لیے اپنے گوشۂ دل میں جگہ پاتا ہے، ان کی علمی عظمت و جلالت کی وجہ سے سرِ افتخار بلند بلند رہتا ہے۔

الغرض میں نے غلطی سے مولانا سے تذکرہ کیا کہ آج اخبار میں خبر آئی ہے کہ دہلی میں مولانا ثناء اللہ صاحب آئیں گے۔ اتنی بات میری زبان سے

نکلی تھی کہ مولانا تڑپ اٹھے اور ناراضی کے لہجے میں کہنے لگے کہ ''کہتے ہو مولوی ثناء اللہ! اتنے بڑے زبردست عالمِ جماعت کو، جن کی مثال پوری جماعت اہلِ حدیث میں نہیں ہے۔ تم اس طرح خفیف لقب سے ان کا نام لیتے ہو، تمھیں شرم و غیرت نہیں آتی کہ ہر دیوبندی عالم اپنے علما کے لیے اچھے القاب و آداب کی آگے پیچھے دو دو سطریں استعمال کرتا ہے؟!''

یہ سن کر میں شرم و غیرت سے ڈوب گیا۔ مولانا کی اس قیمتی نصیحت اور صحیح تربیت کے سبب میری آنکھوں میں روشنی آگئی اور ہمیشہ کے لیے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور آیندہ سے مولانا مرحوم کا ذکرِ جمیل پورے القاب و آداب سے بالالتزام کرنے لگا۔

اللہ تعالیٰ ایسے مربی و محسن کو پیدا کرے جو آج کے موجودہ غیر تربیت یافتہ طالب علموں کو تربیت دیتے ہوئے ان کی غیرت کو جھنجھوڑیں جس سے وہ اپنے آپ کو سنبھال سکیں۔

علامہ اقبال لکھتے ہیں کہ جب کوئی طالب علم بدتمیزی، بے ادبی اور بدتہذیبی کی روش اختیار کرتا ہے تو میرا دن اجالا ہونے کے باوجود تاریک معلوم ہونے لگتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں ع

نوجوانے را چوں بینم بے ادب
روز من تاریک می گردد چوں شب

یعنی کسی نوجوان کو جب میں بے ادب دیکھتا ہوں تو میرا دن، رات کی طرح تاریک ہو جاتا ہے۔

استاذ معقول مولانا عبدالسلام صاحب درانی کی حکیمانہ تعلیم اور نظرِ تربیت

مولانا عبدالسلام صاحب دُرانی کابلی، نادر شاہ کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے، وہ دہلی میں کسی اچھے مدرسے میں مدرس تھے۔ جب مولانا سکندر علی ہزاروی مرحوم نے درس چھوڑ دیا تو میاں صاحب مرحوم رحمہ اللہ نے معقولات پڑھانے کے لیے مولانا عبدالسلام درانی کو تجویز کیا۔ یہ معقولات کی سب کتابیں صدرا، شمس بازغہ، حمداللہ، قاضی مبارک اور فلسفہ کی کتاب اشارات، علمِ کلام کی کتاب شرح مواقف وغیرہ کا درس دیتے تھے اور مشکل سے مشکل مباحث کو چند منٹ میں حل کر دیا کرتے تھے۔ وہ اس نمونے کے مردِ عاقل تھے جس کو عارف شیرازی نے اس شعر میں پیش کیا ہے ع

گرچہ عقلش ہندسہ گیتی کند
بجز طفل نو پدر تی تی کند

یعنی وہ اپنی عقل وفکر سے زمین و آسمان کی گردش وغیرہ کے مسائل پر اگرچہ عبور رکھتے ہیں، لیکن نئے بچے کو سکھانے پڑھانے کے لیے اسی کی زبان میں تی تی تو تو وغیرہ کیا کرتے ہیں۔

مولانا محترم مرحوم سے میں نے شرح مواقف اور شرح اشارات پڑھی۔ جن مسائل و مباحث کو نہیں سمجھ سکتا تھا، اس کو دوبارہ پوچھتا تھا۔ کبھی کبھی میرے ساتھی جھنجھلا کر مجھ سے کہتے تھے: استاد کو کیوں پریشان کرتے ہو؟ چلو میں سمجھا

دوں گا۔ میں جواب دیتا تھا: بھئی! مجھے تم یہیں سمجھا دو، وہ لاجواب ہو جاتے۔ پھر خلوت میں مجھ سے کہتے: بھائی استاد کو کیوں تنگ کریں؟ امتحان میں دس پانچ نمبر ہی معقولات کے کافی ہیں، اصل امتحان میں تفسیر و حدیث کی کامیابی ہے۔ میں نے کہا: میں اس لیے نہیں پڑھتا کہ ہر کتاب کے تھوڑے بہت نمبر آ جائیں، بلکہ اس لیے پڑھتا ہوں کہ اچھی طرح سمجھ لوں اور کل کسی کو پڑھانا ہو تو اچھی طرح پڑھا سکوں۔ الحمد للہ اسی طرح میں مسائل کو سمجھ سمجھ کر پڑھتا رہا۔ میرے محترم استاد کبھی کبھی سمجھنے کے لیے سوالات کرنے پر خفا ہو جاتے اور کہتے کہ تیرے دماغ میں گوبر بھرا ہوا ہے اور کبھی کہتے کہ گوہ بھرا ہے۔

الغرض سوالات پر بھی خفا ہو جاتے، لیکن میں یہ سمجھ کر کہ میرے محترم استاد ان مسائل کے حل کرنے میں ماہر و قادر ہیں تو میں ان سے حل کروا کے اپنی تشفی کیوں نہ کرلوں، چونکہ مسائل کو سمجھ کر پڑھا کرتا تھا، اس لیے مجھے کوئی ڈر نہ تھا۔ کوئی بھی آئے اور سوال کرے تو میں پوری طرح مسائل کو سمجھا دوں گا۔

اتفاق سے ایسا ہوا کہ اسی دوران میں دس بجے کے وقت دار الحدیث رحمانیہ دہلی میں لاہور اورینٹل کالج کے پروفیسر سید طلحہ رحمہ اللہ تشریف لائے، انھوں نے مدرسے میں قدم رکھتے ہی صرف اس درس گاہ میں بیٹھنا پسند کیا جس میں معقولات پڑھائی جاتی ہوں، چنانچہ مولانا عبدالسلام درانی کی درس گاہ میں تشریف لائے۔ مولانا نے اٹھ کر تعظیم کی اور ہم لوگ بھی اٹھ گئے۔ سلام و کلام کے بعد آپ نے فرمایا: میں آپ کے معقولات کا درس سننا چاہتا ہوں۔

مولانا عبدالسلام درانی نے شرح مواقف کا درس دینا شروع کر دیا۔

جب مولانا درس ختم کر چکے تو مولانا سید طلحہ نے کہا: میں جاننا چاہتا ہوں کہ ان طلبہ میں سے کوئی صاحب مجھے آپ کی درسی تقریر سمجھا دیں تو معلوم ہو جائے گا، انھوں نے کیا سمجھا؟

مولوی عبدالواحد بنگالی سے میں نے کہا: سمجھا دو۔ انھوں نے عذر کیا کہ مجھے آج بخار ہے۔ مولوی اشفاق سے کہا تو انھوں نے کہا: مجھے نزلہ ہے۔ تیسرے اسلم صاحب سے کہا تو انھوں نے کہا: میرے سر میں درد ہے، اس طرح یکے بعد دیگرے سات ساتھیوں نے انکار اور معذرت کی، میں نے سوچا کہ استادِ محترم کی بڑی بھدّ گی ہو جائے گی تو میں نے استاد سے کہا: حضرت میں بیان کر دوں؟ تو انھوں نے خوشی سے کہا: ہاں تم بیان کر دو۔

میں نے پہلے ماتن کی بات بتائی، پھر شارح کی بات بتائی۔ پھر صاحبِ منہیّہ میر زاہد کی بات بتائی۔ سید طلحہ میری یہ درسی تقریر سن کر بہت خوش ہوئے اور مجھے شاباش دی اور کہا: اول وہلہ میں اس طرح صاف اور واضح بیان کیا ہے، مزید تکرار و مطالعہ کریں گے تو مزید وضاحت پیدا ہو جائے گی۔ سید طلحہ خوش خوش اٹھے اور میرے استاد مجھ پر ہمیشہ کے لیے مہربان ہو گئے۔

اس قضیہ کے پیش آنے کے بعد کسی موقع پر بھی آپ نے مجھے سمجھانے سے گریز نہیں کیا اور جب تک میں سمجھ نہیں جاتا آگے نہیں بڑھتے۔ مولانا کی حکیمانہ نظرِ تربیت سے اور ان کی زجر و توبیخ اور ان کی محبت بھری تربیت سے میں ہمیشہ آسودہ رہا اور ہمیشہ ان کی شفقت بھری نظر مجھ پر برابر پڑتی رہی۔ مولانا درانی صاحب امرود روزانہ لاتے تھے اور ہمیں بھی ایک دو عدد دیا کرتے تھے اور

کہتے تھے کہ اسے کھایا کرو، یہ جاروبِ معدہ ہے۔

اسی طرح مولانا احمد اللہ صاحب پرتاپ گڑھی مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ دہلی میں شیخ الحدیث کے عہدے پر فائز تھے اور بڑے پر وقار اور جاہ و جلال والے تھے۔ علمِ حدیث کے درس میں ضمناً بڑے بڑے ائمہ احناف کے اقوال و قیاسات کی تردید فرماتے۔ کبھی صاحبِ ہدایہ کی اور کبھی علامہ ابن الہمام کے قیاسات کی دھجیاں بکھیرتے۔ مولانا کی یہ پوری تقریر میں درسی افادات میں قلم بند کر چکا ہوں۔

یہ مولانا ہمارے والدِ محترم الحاج نعمت اللہ خان مرحوم سے جھنڈے نگر کسی موقع پر آ کر ملاقات فرما چکے تھے۔ والد صاحب نے مجھے انہی کے سپرد فرما دیا تھا۔ مولانا کا خطاب بھی جھنڈے نگر میں ہوا تھا، جس کو آپ نے بڑے ہی عالمانہ انداز میں پیش کیا تھا۔ آپ کی تقریر میں جب اللہ کا نام آتا آپ اللہ پاک فرمایا کرتے تھے۔ بہر حال مولانا نے تدریس کے زمانے میں صحیح بخاری پڑھتے ہوئے مجھے ایک زبردست طمانچہ رسید کیا تھا، جو مجھے اب تک یاد ہے۔

بات دراصل یہ تھی کہ میں نے یہ سوال کیا تھا کہ نبی کریم ﷺ کو خود دس بیویوں سے نکاح کی اجازت ملی اور دوسرے مسلمانوں کو چاہے ان میں سے کوئی قوی سے قوی تر ہو، چار بیویوں سے زیادہ کی اجازت نہیں، ایسا کیوں ہے؟ نبی کریم ﷺ نے کیا خود ہی قرآن بنایا اور جو چاہا طے کر لیا اور مسلمانوں کو چار سے زیادہ اجازت نہ دی؟

دراصل یہ اعتراض آریہ حضرات کی تنقید و تشکیک کے نتیجے میں میرے

ذہن میں پیدا ہوا تھا۔ وہ زمانہ شیخ الاسلام مولانا امرتسری رحمہ اللہ کا تھا، اسی زمانے میں ''رنگیلا رسول'' وغیرہ زہریلی کتاب کے مضامین و مباحث میرے دماغ میں تھے۔ مولانا کی ایمانی غیرت جوش میں آ گئی اور مولانا نے مجھے بے ساختہ تھپڑ لگاتے ہوئے کہا کہ تو مرتد ہو گیا ہے۔ تیرے باپ کو میں خط لکھوں گا کہ عبدالرؤف مرتد ہو گیا ہے، اسے اپنی وراثت سے حصہ نہ دینا، حالانکہ ہمارے وہ مشفق استاد تھے جو روزانہ نان خطائی ہمراہ لاتے، جسے خود کھاتے اور ہمیں بھی کھلاتے۔ جو کچھ مجھے حاصل ہوا، انہی اساتذہ کی تعلیم و تربیت اور محنت و مشقت کے طفیل ہوا۔ مولانا کے تھپڑ سے میں خوش ہوں کہ مجھے تعلیم کی دولت حاصل ہوئی اور ان کی تنبیہات نے میری خفتہ صلاحیت کو بیدار کیا اور اس کو جلا دینے میں اکسیر کا کام کیا، جسے میں تاحیات فراموش نہیں کر سکتا ہوں۔

شیخ مصلح الدین سعدی رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے کہ میرا بھی لوگ ذکر و چرچا کرتے ہیں، لیکن بچپن میں اپنے استادوں سے مار کھانے کی یہ برکت ہے، چنانچہ لکھتے ہیں ؎

تو دانی کہ سعدی مکاں از چہ یافت
نہ ہاموں نوشت و نہ دریا شگافت
بخوردی بخوارد از بزرگاں قفا
خدا دادش اندر بزرگی صفا

''کیا تو جانتا ہے کہ سعدی کو یہ مقام و مرتبہ کہاں سے ملا؟ نہ اس نے صحرا نوردی کی اور نہ دریا میں شگاف ڈالا، بس اس نے چھوٹی عمر

میں بزرگوں سے گردن پر تھپڑ کھائے تو بڑی عمر میں خدا تعالیٰ نے اس کو پاکیزگی وخوش نمائی عطا کر دی۔''

بہر حال میں اسی سال فارغ ہو کر آیا تو میں نے ''پیغامِ محمدی'' کا اشتہار پڑھا، اس میں اس قسم کے اعتراضات کے جوابات کا اعلان تھا، میں نے اس کتاب کو پارسل سے بھیجنے کے لیے مونگیر آرڈر دیا۔ جب یہ پارسل مونگیر سے آ گیا تو والد صاحب سے اس کو چھڑانے کے واسطے پیسہ مانگنے کی ہمت مجھے نہیں ہوئی، بلکہ والدہ صاحبہ سے منت سماجت کر کے پیسہ حاصل کر لیا اور پارسل چھڑا لیا۔

جب میں نے پارسل پیغامِ محمدی کو پڑھنا شروع کیا تو اس میں ہر اعتراض کا جواب قابلِ اطمینان پایا۔ میری آنکھوں سے باطل کے پردے ہٹ گئے اور عقل و دماغ روشن ہو گئے۔ اس عمدہ کتاب کو پڑھ کر میری آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔

سچ ہے اچھی کتابوں کے مطالعہ سے ذہن و دماغ پر اچھے اثرات و نتائج مرتب ہوتے ہیں اور بری کتابوں کے مطالعہ سے آدمی کا ذہن وعقیدہ بگڑ جاتا ہے۔ کتابوں کے اثرات وفوائد پر کسی زندہ دل شاعر نے کیا خوب کہا ہے ع

ہر آنکس کہ شہنامہ خوانی کند
اگر زن بود پہلوانی کند

یعنی شاہنامہ کتاب ایسی لڑائیوں اور بہادرانہ کاموں کو اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہیں، اس کو پڑھ کر ایک نامرد، بلکہ عورت بھی اپنے اندر پہلوانوں

جیسی قوت و طاقت محسوس کرنے لگتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اچھی کتابوں کے اچھے فوائد وثمرات حاصل ہوتے ہیں۔

''پیغامِ محمدی'' کے مصنف مولانا محمد علی مونگیری رحمہ اللہ ہیں، جنھوں نے ندوۃ العلماء کی تاسیس میں حصہ لیا ہے۔ مولانا شیخ الاسلام امرتسری رحمہ اللہ اور مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کے ساتھ اور دیگر علمائے کرام کے ساتھ ندوۃ العلماء کی تاسیسی کارروائی میں شریک رہے ہے۔ مولانا مونگیری کی یہ علمی تصنیف اہلِ علم علما وفضلا کے لیے بے حد مفید ہے۔ یہ اسلام سے محبت پیدا کرنے والی ایک عمدہ کتاب ہے۔

الحاصل میں نے شروع سے لے کر تعلیم کی آخری منزل تک اپنے بزرگ اساتذہ سے مار کھائی اور ان کی برابر خدمت بھی کی ہے۔

شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ صاحب کی خدمت گزاری

اپنے محترم استاد مولانا احمد اللہ صاحب کی خدمت میں مَیں مشغول رہتا تھا۔ دن کو موصوف کی چارپائی کمرے سے باہر برآمدے میں بچھاتا تھا، اس پر بستر ڈالتا، پھر اس پر مولانا استراحت فرماتے، اس وقت سر پر تیل کی مالش کرتا اور ان کے ہاتھ پاؤں دباتا، پھر ظہر کے وقت چارپائی کو کمرے کے اندر کرتا اور بستر اٹھا کر رکھتا۔

علامہ ابن الجوزی کی کتاب "صفة الصفوة" مولانا کے اسی چھوٹے سے کمرے میں رکھی ہوئی مل گئی، اس میں بہت سی نصیحت آمیز باتیں نظر آئیں۔ مولانا صاحب کے سر کی جس وقت میں مالش کر رہا تھا تو آپ نے

فرمایا: آنکھوں کے پپوٹے میں تیل لگا دو۔ یہ سنت ہے۔ ہمارے نبی کریم ﷺ نے بھی اپنے پپوٹے میں تیل لگوایا تھا۔ میں نے کہا: یہ کس کتاب کے حوالے سے آپ فرما رہے ہیں؟ آپ نے جواب دیا: امام نووی رحمہ اللہ کی کتاب ''کتاب الاذکار'' میں یہ روایت موجود ہے، اس وقت سے اس کتاب کا حوالہ مجھے یاد رہا۔ جب 1959ء میں سفرِ حج کو مکہ مکرمہ گیا تو وہاں کتب خانوں میں اس کتاب کو تلاش کیا، جب یہ کتاب مل گئی تو میں نے خرید لیا اور اس میں پپوٹوں پر تیل لگانے کی روایت مل گئی۔

بہرحال اس طرح میں مسلسل دو برس تک چارپائی نکالتا، اٹھاتا اور بچھاتا رہا اور خدمت کرتا رہا، اسی طرح ان کے تمام خطوط بھی لکھتا رہا اور جامع مسجد دہلی سے ان کی بعض خرید کردہ کتابیں لے کر آتا تھا۔ مولانا مرحوم نے مولانا نور محمد مالک اصح المطابع دہلی کے نام جو خط تحریر فرمایا تھا اور اس میں ان کی سعی مشکور کے لیے جو دعا کی تھی، اس کو مولانا نور محمد صاحب نے بہت پسند فرمایا تھا اور خوشی کا اظہار کیا تھا۔ قرآن پاک میں یہ ایک دعائیہ آیتِ کریمہ ہے: ﴿ وَكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُورًا ﴾ [الدهر: ۲۲] ''یعنی تمھاری سعی جمیل کی قدر دانی کی جائے گی۔'' تو میں بھی اس آیتِ کریمہ کو اکثر صاحبِ فیض و کرم کو توجہ دلانے کے لیے لکھتا ہوں۔

بہرحال مولانا کی خدمت گزاری میں مَیں حتی الامکان منہمک رہا اور اس کو اپنے لیے عار نہیں محسوس کیا، بلکہ باعثِ فخر و سعادت تصور کیا۔

جس سال میں وہاں آٹھویں جماعت پڑھ کر فارغ ہو رہا تھا تو ختمِ نبوت

کے فلسفے پر سالانہ انجمن کے موقع پر ہم کو اور ہمارے کچھ رفقا کو خطاب کرنے کے لیے کہا گیا۔ صدرِ انجمن مولانا محمد جوناگڑھی مرحوم رحمہ اللہ کے حکم کے مطابق مجھے صرف پانچ ہی منٹ کا موقع ملا۔ دار الحدیث رحمانیہ کا ہال سامعین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ جب میں نے تقریر کرنا شروع کی تو پانچ منٹ کی تقریر میں تین مرتبہ لوگوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور تقریر کے خاتمے پر میں نے جب یہ دو شعر پڑھے ع

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے
کوئی دیں، دینِ محمد ﷺ سا نہ پایا ہم نے
ہم ہوئے خیر امم تجھ ہی سے اے خیر رسل
تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے

تو پورا مجمع مسحور ہو گیا۔ مولانا احمد اللہ صاحب بھی بہت متاثر ہوئے اور رو پڑے۔ جب میں اسٹیج سے نیچے اترا تو مولانا نے مجھ سے فرمایا: بیٹے تم نے ہم کو رلا دیا۔ وہاں سے تعلیمی فراغت کے بعد جب میں گھر پہنچا تو مولانا مرحوم نے میرے لیے یہ دعا لکھی تھی: ''خدا تجھ کو مثلِ ثناء اللہ بنائے!''

اسی طرح میری تقریروں کو سن کر حضرت الاستاذ علامہ عبیداللہ صاحب رحمانی مبارک پوری شیخ الحدیث مدظلہ العالی نے مجھے خطیب الہند اور خطیب الاسلام کے لقب سے نوازا۔

اپنے ایک مفصل گرامی نامہ میں یہ رقم فرمایا:

''تمھاری تقریروں کے ذریعے وہ خلا پر ہو رہا ہے جو مولانا ابو القاسم

سیف بنارسی رحمہ اللہ کے ارتحال سے پیدا ہوا ہے اور مجھے امید ہے کہ تقریروں کی حد تک تم مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب رحمہ اللہ کا نام زندہ کرو گے۔‘‘

یہ سب کچھ اپنے اساتذہ کی بے لوث خدمت کرنے اور ان کی مار پیٹ سہنے سے اور ان کی بہترین اصلاح و تربیت کے نتائج ہمیں حاصل ہوئے۔ میں تو اپنی علم میں کم مائیگی اور تہی دامانی پر دوسروں کے مقابلے میں کسی شاعر کا یہ شعر پڑھتا ہوں جو نظامی کے مقابلے میں اس نے لکھا ہے ؏

نہ نظم ز نظمِ نظامی کم است
و لیکن منم نم نظامی یم ست

یعنی کسی شاعر کو اس کے اچھے شعروں پر کہا گیا کہ تم وقت کے نظامی ہو، تمھارے اشعار میں وہی خوبیاں ہیں، جو نظامی کے اشعار میں پائی جاتی ہیں۔ شاعر نے اپنی مسکینی اور تواضع کے تحت اس کا جواب دیا کہ اگرچہ میری نظم نظامی کی نظم سے کم درجے کی نہیں ہے، لیکن میرے اور نظامی کے درمیان یہ فرق اب تک ہے کہ نظامی مثل سمندر کے ہیں اور میں سمندر کے مقابلے میں صرف شبنم کی طرح ہوں۔

اسی طرح وہ امامِ زمانہ، مناظرِ اسلام، فاتحِ قادیان، شیرِ پنجاب کا علوِ مرتبت اور مولانا سیف بنارسی کا علمی مقام اور زورِ خطابت جو آج تک ضرب المثل ہے، اس کے مقابل میں ہم جیسے کم سواد اور بے بضاعت لوگ کہاں لائے جا سکتے ہیں، لیکن ہمارے اساتذہ کرام کی یہ دعائیں اور تمنائیں میرے ساتھ شریک رہیں، جو میری علمی تگ و تاز اور علمی نشاطات میں میرا حوصلہ بڑھاتی رہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے مرحوم اساتذہ کرام پر رحمت و مغفرت کی نظر ڈالے ؎

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

سلسلہ فتاوی علمائے اہلِ حدیث 2

مجموعہ فتاویٰ

اُستاذ الاساتذہ

حافظ محمد عبداللہ مُحدث غازی پوری رحمۃ اللہ علیہ

(1260-1337ھ)

تحقیق: حافظ شاہد محمود فاضل مدینہ یونیورسٹی

سلسلہ فتاوی علمائے اہلِ حدیث 3

مجموعہ فتاویٰ

محدث العصر علامہ محمد عبدالرحمٰن مُبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ

تحقیق: حافظ شاہد محمود فاضل مدینہ یونیورسٹی

مجموعہ رسائل

استاذ الاساتذہ

حافظ محمد عبداللہ محدث غازی پوری رحمہ اللہ

(1260-1337ھ)

تحقیق حافظ شاہد محمود فاضل مدینہ یونیورسٹی

مجموعہ رسائل

استاذ المناظرین

مولانا احمد دین گکھڑوی

(۱۹۰۰ء — ۱۹۷۴ء)

تحقیق: حافظ عبداللہ سلیم


مجموعہ علوم قرآن
مجموعہ رسائل عقیدہ
مجموعہ فتاویٰ
مجموعہ فتاویٰ
مجموعہ رسائل
مجموعہ رسائل